تعلیم و تربیت
مارچ 2013ء
سو پیارا پاکستان
صفحہ نمبر 4
ہمت کرے انسان تو...
صفحہ نمبر 8
نیلو کی شامت
صفحہ نمبر 8
آج ہی اعلان کیجیے

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ
اداریہ	مدیر	1
حمد و نعت	کرامت بخاری	2
درسِ قرآن و حدیث	محمد طیب الیاس	3
پیارا پاکستان	ضیاء الحسن ضیاء	4
ہمت کرے انسان تو......	محمد فاروق دانش	5
نیلو کی شامت	احمد عدنان طارق	8
پیارے اللہ کے ۔ ۔ ۔	راشد علی نواب شاہی	11
معجزات رسول اکرم ﷺ	شمیم اختر	13
ڈاکٹر عطاء الرحمٰن	غلام حسین میمن	16
آؤ تجدید عہد کریں......	ڈاکٹر عامرہ ناز	19
معلومات عامہ	ننھے قارئین	24
میری زندگی کے مقاصد	پُرعزم قارئین	25
مختصر مختصر	ننھے قارئین	26
بچوں کا انسائیکلو پیڈیا	ڈاکٹر طارق ریاض	28
بوجھو تو جانیں	ادارہ	30
داؤدی علمی آزمائش	ذہین قارئین	31
اُف یہ موٹاپا!	کوکب کاظمی	32
کیا آپ جانتے ہیں؟	ادارہ	35
مسٹر لال بیگ ۔ ۔ ۔	عبیدہ صبا	36
آیئے مسکرائیں	خوش مزاج قارئین	39
صلاح الدین ایوبیؒ	روبی خان	40
ڈاکو بھائی!	عبدالرشید فاروقی	43
آپ بھی لکھیے	ہونہار ادیب	47
سوال یہ ہے کہ......!	ادارہ	50
ایسے ملا کرو......!	فرزانہ چیمہ	51
آپ کا خط ملا	ننھے قارئین	55
آیئے عہد کریں	ادارہ	57
میں ڈاکٹر نہیں بنوں گا......	رانا عمران	58
آیئے کھوج لگایئے	ننھے کھوجی	63
بلاعنوان	ادارہ	64

اور بہت سے دل چسپ تراشے اور سلسلے

سرورق: قراردادِ پاکستان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

پیارے ساتھیو! کیا حال احوال ہیں آپ کے؟ اُمید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔

23 مارچ 1940ء کا دن ہماری تاریخ میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس تاریخ ساز دن کو مینار پاکستان پر ایک جلسہ ہوا تھا جس میں ایک قرارداد منظور کی گئی تھی، جسے ''قراردادِ لاہور'' کہتے ہیں، جس میں برصغیر کے مسلمانوں نے قائداعظم کی قیادت میں ایک الگ آزاد مملکت کا مطالبہ کیا تھا۔ پیارے بچو! ہمیں یہ وطن بہت سی قربانیوں اور جدوجہد کے بعد حاصل ہوا ہے۔ آزادی بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم ایک آزاد مملکت میں سانس لے رہے ہیں۔ آزادی کی قدر کیجیے۔ پیارے بچو! قائداعظمؒ نے نوجوانوں اور طالب علموں کو پیغام دیا ہے کہ

''میں آپ کو مصروف عمل ہونے کی تاکید کرتا ہوں۔ کام، کام اور بس کام۔ سکون خاطر، صبر و برداشت اور انکساری کے ساتھ اپنی قوم کی سچی خدمت کرتے جایئے۔'' پیارے بچو! ملک وقوم کی خدمت اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ ہم خلوص دل سے علم حاصل کریں اور اپنی تعلیم پر توجہ دیں۔ اُمید ہے آپ دل لگا کر پڑھیں گے۔ سالانہ امتحان کے لیے خوب محنت کیجیے۔ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

اس ماہ 23 مارچ کے حوالے سے خصوصی کہانی شامل کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے تمام پسندیدہ سلسلے بھی شاملِ اشاعت ہیں۔ تعلیم و تربیت آپ کا پسندیدہ رسالہ ہے۔ اس ماہ کا رسالہ پڑھیے اور اپنی تجاویز اور آراء سے آگاہ کیجیے۔ خوش رہیں، شاد رہیں اور آباد رہیں۔

فی امان اللہ!

چیف ایڈیٹر	ایڈیٹر، پبلشر	اسسٹنٹ ایڈیٹر	مشیر	سرکولیشن اسسٹنٹ
عبد السلام	ظہیر سلام	عابدہ اصغر	سعید لخت	محمد بشیر راہی

سالانہ خریدار بننے کے لیے سال بھر کے شماروں کی قیمت پیشگی بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں سرکولیشن منیجر: ماہنامہ ''تعلیم و تربیت'' 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور کے پتے پر ارسال فرمائیں۔
فون: 36361310-36361309 فیکس: 6278816

پرنٹر: ظہیر سلام
مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور۔
سرکولیشن اور اکاؤنٹس: 60 شاہراہ قائداعظم، لاہور۔

خط و کتابت کا پتا
ماہنامہ تعلیم و تربیت 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور۔
UAN: 042-111 62 62 62 Fax: 042-6278816
E-mail:tot.tarbiatfs@gmail.com
tot tarbiatfs@live com

پاکستان میں (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک)= 500 روپے۔
مشرق وسطیٰ (ہوائی ڈاک سے)= 1500 روپے۔
ایشیا، افریقا، یورپ (ہوائی ڈاک سے)= 1500 روپے۔
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا مشرق بعید (ہوائی ڈاک سے)= 1500 روپے۔

قیمت فی پرچہ: 25 روپے

حمد باری تعالیٰ

یہ سارے چاند ستارے
اور اُن میں کچھ سہارے
یہ کشتی اور کنارے
یہ پانی کے فوارے
یہ دریاؤں کے دھارے
یہ سارے نور نظارے
یہ ہنستی بستی دنیا
یہ کھانوں کے چٹخارے
یہ آگ ہوا اور مٹی
اور پانی میٹھے کھارے
یہ بچے پیارے پیارے
سب اُس کے رنگ نیارے
اللہ نے بنائے سارے
اللہ نے بنائے سارے

نعت رسول مقبول

کرامت بخاری

آپؐ کے نام کی یہ برکت ہے
آپؐ کو سوچنا عبادت ہے
آپؐ کے ذکر میں فضیلت ہے
آپؐ کی بات میں ہدایت ہے
آپؐ سے فیض ہے دو عالم کو
آپؐ سے دو جہاں پہ رحمت ہے
آپؐ ہیں شہر علمِ قرآنی
آپؐ کی ذات شہرِ حکمت ہے
آپؐ کی نعت لکھتا رہتا ہوں
آپؐ کو دیکھنے کی حسرت ہے
آپؐ کا اُمتی ہوں خادم ہوں
آپؐ سے عشق ہے محبت ہے

پیارے بچو!

اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر اچھا عمل اور عبادت یہاں تک کہ ایمان بھی اسی وقت مقبول ہوتا ہے جب وہ محض اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اس کو ''اخلاص'' کہتے ہیں۔ یہی ''اخلاص'' تمام اعمال وعبادات کی روح اور جڑ ہے۔ جیسے جسم سے روح نکل جاتی ہے تو جسم ''مردہ'' کہلاتا ہے اسی طرح اگر عمل خالص اللہ کی رضا کے لیے نہ ہو تو وہ بھی ''مردہ'' کہلاتا ہے یعنی اس پر ثواب نہیں ملتا۔ اسی طرح اگر درخت کو زمین سے اکھاڑ دیا جائے اور اس کی جڑوں کو زمین سے نکال دیا جائے تو وہ ہرا بھرا درخت سوکھ کر کانٹا ہو جاتا ہے، زمین میں پیوست ہو کر جو نفع پہنچا رہا تھا اب اس کا تمام نفع ختم ہو گیا۔ بالکل اسی طرح جو عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ کر رہا تھا جب اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو بھی شریک کر لیا تو وہ سارا ثواب جو ''خلوصِ نیت'' کے ساتھ مل رہا تھا ضائع ہو گیا۔

اگر نیت میں تبدیلی آ جائے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے بجائے دکھاوا اور شہرت مقصود ہو جائے تو اس سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے اور عذاب کا اندیشہ رہتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قیامت کے دن جن لوگوں کو پہلے پہل فیصلہ سنایا جائے گا ان میں سے ایک ''شہید'' وہ بھی ہو گا جس کو بلا کر اللہ تعالیٰ پہلے اپنی اس نعمت کا اظہار فرمائیں گے جو اس پر کی گئی تھی یعنی قوت و شجاعت ۔ وہ اس کو پہچانے گا اور اقرار کرے گا۔ اس کے بعد سوال کیا جائے گا کہ اس نعمت سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا کہ تیری رضا کے لیے جہاد کیا یہاں تک کہ ''شہید'' ہو گیا۔ ارشاد ہو گا کہ جھوٹ بولتے ہو۔ تم نے یہ اس لیے کیا تھا کہ لوگ تمہیں بہادر کہیں۔ سو لوگوں نے تم کو بہادر کہہ دیا اور جس غرض کے لیے جہاد کیا تھا (بہادری دکھانا) وہ حاصل ہو چکی ہے۔ اس کے بعد اس کو حکم سنایا جائے گا اور وہ منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

دوسرے وہ ''عالم'' بھی ہو گا جس نے علم پڑھا اور پڑھایا اور قرآن پاک حاصل کیا اس کو بلا کر اس پر جو انعامات دنیا میں کیے گئے، تھے وہ شمار کیے جائیں گے اور وہ اقرار کرے گا۔ اس کے بعد اس سے بھی پوچھا جائے گا کہ ان نعمتوں سے کیا کیا کام کیے؟ وہ عرض کرے گا کہ تیری رضا کے لیے علم پڑھا اور لوگوں کو پڑھایا، قرآن پاک تیری رضا کے لیے حاصل کیا۔ جواب ملے گا جھوٹ بولتا ہے تو نے علم اس لیے پڑھا تھا کہ لوگ ''عالم'' کہیں اور قرآن اس لیے حاصل کیا تھا کہ لوگ ''قاری'' کہیں۔ سو لوگوں نے کہہ دیا اور (جو غرض پڑھنے پڑھانے کی تھی وہ پوری ہو چکی) اس کے بعد اس کو بھی حکم سنا دیا جائے گا اور وہ بھی منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

تیسرے وہ ''مال دار'' بھی ہو گا جس کو اللہ تعالیٰ نے وسعت رزق عطا فرمائی اور ہر قسم کا مال عطا فرمایا، اس کو بلایا جائے گا اور اس سے بھی نعمتوں کے اظہار اور ان کے اقرار کے بعد پوچھا جائے گا کہ ان انعامات کو کہاں خرچ کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ خیرات کا کوئی مصرف ایسا نہیں جس میں خرچ کرنا تیری رضا کا سبب ہو اور میں نے اس میں خرچ نہ کیا ہو۔ ارشاد ہو گا کہ یہ جھوٹ ہے۔ یہ سب اس لیے کیا کہ لوگ سخی کہیں، سو لوگوں نے کہہ دیا۔ اس کے بعد اس کو بھی حکم کے مطابق کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (مسلم)

پیارے بچو! ایک اچھا اور نیک عمل دکھاوے اور شہرت کی نیت سے کیسے برباد ہو گیا۔ اس لیے آپ جو بھی نیک کام کریں صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے کریں۔

پیارا پاکستان

ضیاء الحسن ضیا

پیارا پاکستان ہمارا پیارا پاکستان
اس کی سج دھج پر ہیں اپنے جان و دل قربان
چاند ستارے والا پرچم کتنا عالی شان
اس کی شان و شوکت سے ہے عیاں ہماری آن
لہرائے یہ اونچا ہر دم اپنا ہے ارمان
پیارا پاکستان ہمارا پیارا پاکستان
اس کی سج دھج پر ہیں اپنے جان و دل قربان
مہکی مہکی وادی وادی، میدان سبزہ زار
پھولوں سے بھی بڑھ کر اس کے گلشن کے ہیں خار
پاک وطن کی شان دکھائیں اونچے سب کہسار
پیارا پاکستان ہمارا پیارا پاکستان
اس کی سج دھج پر ہیں اپنے جان و دل قربان
اپنے پیارے پاک وطن میں ہم سب ہیں خوش حال
دیکھو! ہم سب پاکستانی پیار سے مالا مال
ہم کو ہے ہر لحہ اپنے پاک وطن کا خیال
پیارا پاکستان ہمارا پیارا پاکستان
اس کی سج دھج پر ہیں اپنے جان و دل قربان
اس کی ہے بنیاد میں شامل خون شہیدوں کا
ہرا بھرا ہے رنگ جبھی تو اس کے کھیتوں کا
اس کی مٹی جگمگ جگمگ مرکز جلووں کا
پیارا پاکستان ہمارا پیارا پاکستان
اس کی سج دھج پر ہیں اپنے جان و دل قربان

ہمّت کرے انسان تو...

محمد فاروق دانش

''میرے عزیز بچو! آج یوم پاکستان کے اس اہم موقع پر میں آپ سے مخاطب ہوں۔''

پرعزم نوجوان نے بچوں کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ اس سرکاری اسکول کے تمام بچے اس کی طرف بھرپور توجہ سے دیکھ رہے تھے۔

''مجھے آپ جیسے طالب علموں کو دیکھ کر بے حد خوشی ہوتی ہے۔ میں بڑے اسکولوں میں جا کر امیر بچوں سے ملنے کے بجائے غریب اسکول کے بچوں سے بات کرنا زیادہ قابل فخر سمجھتا ہوں۔''

انہوں نے خوش دلی سے کہا۔ ان کے اس جملے پر بچوں کا سیروں خون بڑھ گیا۔ انہوں نے تالیاں بجا کر اس کو بھرپور داد دی۔

23 مارچ کی مناسبت سے اس اسکول میں آج تقریب منعقد کی گئی تھی۔ اس ادارے میں علاقے کے غریب اور متوسط طبقے کے بچے تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ آج پاکستان کے دن کی مناسبت سے بچوں نے بساط بھر رنگ برنگے نئے اور صاف ستھرے کپڑے پہن رکھے تھے۔

''مجھے علم ہے کہ اس اسکول میں ایسے غریب بچے بھی ہیں جو اپنے گھر کا چولہا جلانے کے لیے محنت مزدوری بھی کرتے ہیں اور دو چار تو ایسے بھی ہیں جو کچرا چن کر اپنے گھر کا خرچہ چلاتے ہیں۔''

وہ نوجوان یہ بات کہتے ہوئے بے حد سنجیدہ ہو گیا تھا۔ بچے بھی اُن کے چہرے پر آنے والی تبدیلی کو آسانی سے محسوس کر رہے تھے۔

''میرا آج کا خطاب آپ کو عام رواجی تقریروں سے مختلف لگے گا اور لگنا بھی چاہیے اس لیے کہ میں خود بھی مختلف انسان ہوں۔ مجھے سڑک پر کچرا جمع کرنے والے ان بچوں سے بے حد محبت ہے، میرا بس چلے تو میں ان سب بچوں سے یہ کام چھڑوا کر انہیں پڑھنے لکھنے اور بااعتماد انسان بنانے پر لگا دوں۔''

اس نے پرعزم لہجے میں کہا۔ اسکول کا ہال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اٹھا۔ کچرا چننے والے بچوں کے چہروں پر رونق آ گئی۔

''ایسے بچوں کے ساتھ میری یہ محبت اور عنایت اس لیے بھی ہے کہ میں بچپن میں خود بھی کچرا چننے کا کام کرتا تھا۔'' اس کے اس انکشاف نے بچوں کو ایک دم سے حیرت زدہ کر دیا۔

''مجھے اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ کیا غریب ہونا کوئی جرم ہے؟ محنت کر کے کمانا کیا کوئی عیب ہے؟''

''نہیں تو......!'' بہت سے بچوں کے منہ سے جواب نکل گیا۔

''اگر کوئی کتا بھی بھونکتا ہے تو ایسے ہی غریب اور میلے کچیلے لوگوں پر۔ امیر بچے اگر تنگ کرتے ہیں تو ایسے ہی دکھیارے محنت کشوں کو۔ آخر کیوں؟'' ایسا لگتا تھا کہ وہ یہ باتیں کرتے ہوئے رو دے گا۔

''جب میرے گھر کا کوئی سہارا نہ تھا اور میں یہ کام کرتا تھا تو مجھے بڑی تکلیف اور اذیت سہنا پڑتی تھی۔''

بچے پاکستان کے حوالے سے دیگر اساتذہ کا خطاب سن چکے تھے۔ انہیں آج کے صدر مجلس سے بھی یہی اُمید تھی کہ وہ اسی موضوع پر ہی بات کریں گے لیکن انہوں نے الگ ہی موضوع

چھیڑ دیا تھا۔

اس میں انہیں بہر حال مزا آ رہا تھا۔ انہیں ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی ان کے دل ہی کی باتیں کر رہا ہے، ایسی باتیں جوان کے دل کے بالکل قریب تھیں۔ بچے یہ بھی سوچ رہے تھے کہ اگر یہ نوجوان کچرا چنتا تھا تو آج اتنا خوش لباس کیوں نظر آ رہا ہے اور اسکول والوں نے اسے کیوں آج کی محفل کے لیے اہم سمجھا ہے؟

''میرا بھی پڑھنے کو بہت دل کرتا تھا لیکن مجبور تھا۔ کام کرنے نکلتا تو کبھی کوئی بچہ میرا تھیلا کھینچتا، کبھی کوئی کتا پیچھے لگتا تو کبھی پولیس والا مشکوک سمجھ کر میرا تھیلا چیک کرتا کہ کہیں میں نے کچھ چرا تو نہیں لیا۔''

کچرا چننے والے لڑکوں کو اپنی کہانی یاد آنے لگی۔ واقعتاً ان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا تھا۔ اب وہ سوچنے لگے کہ کیا وہ کبھی ایسے اسمارٹ اور پڑھے لکھے نوجوان بن سکیں گے؟

''میرے پڑھنے لکھنے اور اچھا مقام حاصل کرنے کی داستان بھی دوسروں سے مختلف ہے۔''

اس نے ایک بار پھر محفل کو مخاطب کیا۔ بچے دل تھامے اس کی کہانی سننے کے لیے بے تاب تھے۔ ہر ہر لمحہ انہیں سوچ میں مبتلا کر رہا تھا کہ اس نوجوان نے کس طرح ترقی کی؟

''میں بڑے دکھی دل کے ساتھ محنت کرنے میں مصروف کار تھا اور لوگوں کی سختیوں کو جھیل رہا تھا کہ ایک روز.....'' وہ کچھ دیر سانس لینے کے لیے رکا۔ شاید اسے وہ واقعہ اپنی آنکھوں کے سامنے نظر آ رہا تھا۔

''کیا ہوا اس روز......؟'' دو چار بچوں نے آپس میں سوالات شروع کر دیے۔

''مجھے کیا معلوم......؟'' ایک نے دوسرے کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

نوجوان نے میز پر رکھے گلاس سے پانی پیا اور پھر کہنا شروع کیا۔

''اس روز مجھے تین چار، امیر لڑکوں نے بڑا تنگ کیا۔ وہ کبھی میرا تھیلا کھینچتے، کبھی مجھ پر کچرے کا شاپر اُچھالتے، کبھی میرا مذاق اڑاتے۔ میں نے کافی ضبط کیا لیکن وہ باز نہیں آئے۔ جب میرے صبر کا پیمانہ لب ریز ہو گیا تو میں نے غصے میں آ کر ایک پتھر اٹھا کر ان پر اُچھال دیا اور......''

''اور پھر......''

کچھ نے اپنے دانتوں میں اُنگلیاں ڈال لیں۔ لڑکوں کو یہ مناظر اپنی آنکھوں کے سامنے نظر آ رہے تھے۔ وہ اس کہانی کا پس منظر جاننے کے لیے بے تاب تھے۔

''ایک لڑکے کے سر سے خون کا فوارہ بہہ نکلا۔ انہوں نے میری پٹائی الگ کی اور پھر حوالۂ پولیس کر دیا۔''

''ارے...... کتنے ظالم ہوتے ہیں یہ امیر لوگ بھی......'' لڑکے حیرانی سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

''میں تھانے پہنچا، اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے میں نے لاکھ جتن کیے لیکن غریب کی کون سنتا ہے۔''

یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ ان کی یہ باتیں سن کر اسکول کے تمام بچے مغموم ہو گئے۔ ہیڈ ماسٹر اور دیگر مہمانوں کی اداسی بھی قابلِ دید تھی۔ اس کے باوجود ہر کوئی اس کی مکمل کہانی سن کر اپنے دل میں نقش کر لینا چاہتا تھا۔

''میری کوئی سفارش نہیں تھی اور وہ تگڑے لوگ تھے۔ میرے خلاف پرچا کر کے مجھے جیل بھیج دیا گیا۔''

''کتنا بُرا ہوا اس بے چارے کے ساتھ۔'' لڑکے ایک دوسرے سے اظہار افسوس کرنے لگے۔

''میری ماں میرے لیے دھکے کھاتی رہی لیکن میرا کیس تک نہ چل سکا۔ میں معمولی سی بات پر جیل میں پڑا سڑتا رہا۔'' وہ غم زدہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''وہ تو جیلر کچھ مہربان انسان تھا، اس نے مجھے جیل کے اسکول میں شفٹ کرا دیا۔ میں نے وہاں پڑھنا شروع کر دیا۔ شام کے وقت میں نے کشیدہ کاری کا کام سیکھ لیا۔ اب مجھے کام کی اُجرت بھی ملنے لگی۔ وہی جیل جو مجھے کل تک بُری لگ رہی تھی، میرے لیے جنت بن گئی۔'' یہ کہہ کر وہ کچھ دیر کے لیے رکا۔

لڑکے اس بات پر غور کر رہے تھے کہ جس طرح دنیا میں سارے لوگ اچھے نہیں ہوتے بالکل اسی طرح جیل میں سارے پولیس والے بھی بُرے نہیں ہوتے۔

"کیا قسمت پائی ہے اس انسان نے؟" ایک نے دوسرے سے کہا۔
"محنت بھی تو خوب کی ہے اس نے۔" دوسرے نے جواب دیا۔
"اب میرا بہترین کاروبار ہے اور میں یونی ورسٹی میں پڑھا بھی رہا ہوں۔ اگر میں جیل میں ہمت ہار جاتا یا مجھے درست راہ نمائی نہ مل پاتی تو میں آج اس حال میں آپ کے سامنے نہ ہوتا۔ میں آج اچھی حیثیت میں ہوں لیکن میں نے اپنا کل نہیں بھلایا اور نہ ہی اسے بھلانا چاہتا ہوں، کیوں کہ میری اسی محنت نے مجھے ایک اچھے مرتبے پر لا کھڑا کیا ہے۔"
"صحیح کہہ رہا ہے بھائی۔" دُور بیٹھے ایک لڑکے نے چہ مگوئی کی۔
"میرا پختہ ارادہ ہے کہ میرے ملک کے بچے غربت اور بدحالی سے نکل آئیں۔ وہ محنت ضرور کریں لیکن انہیں پڑھنے کے مواقع بھی ملنے چاہئیں۔" بچے اس کی بات پر بے حد خوش ہوئے۔
"میں نے ایسے بچوں کی کفالت کے لیے ایک ادارہ بنایا ہے، جس کے تحت ہم ایسے بچوں کو تعلیم کے بھرپور مواقع دے رہے ہیں جو اپنے گھریلو حالات کی وجہ سے نہیں پڑھ پا رہے۔" اس نے سینہ تان کر عزم سے کہا۔
"اب ہمارا ایک اسکول بھی عن قریب کام شروع کرنے والا ہے جس میں محنت کش بچوں کو بہترین تعلیم مفت فراہم کی جائے گی۔ نا صرف یہ بلکہ ایسے بچوں کی مالی امداد بھی کی جائے گی تاکہ ان کے گھرانے انہیں چھوٹی سی عمر میں مزدوری کرنے پر مجبور نہ کریں۔"
اس کے ان خیالات کو سن کر پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ بچے یوم پاکستان پر کسی اچھی خبر کے منتظر تھے اور یہ خبر ان کے لیے بہت بڑی تھی۔ غریب اور بے کس بچے تعلیم کے لیے ایک نئے ادارے کی تعمیر کی خبر پر بے حد مسرور تھے، ان کے سامنے اس نوجوان ڈاکٹر عدیل کی مثال موجود تھی جس نے کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی محنت کی اور ایک اعلیٰ مقام تک پہنچ گیا۔
اگر یہ سب بچے بھی محنت کی عادت اپنالیں تو اس جیسے لائق انسان بن سکیں گے۔

☆☆☆

"میں نے یہیں سے میٹرک کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کر لیا۔" نوجوان نے پھر کہنا شروع کیا۔ "مجھے یہ ٹریننگ اسکول راس آ گیا تھا۔ میری باہر کی زندگی یہاں سے خراب تھی۔ اب میں یہاں سے باہر نہیں جانا چاہتا تھا۔ یہاں سے میں نے انٹر بھی کر لیا، میرا ہنر بھی پختہ ہو گیا۔ پھر جیلر نے میرے کیس میں معاونت کرتے ہوئے مجھے بَری کرا دیا تاکہ میں باہر جا کر معاشرے کا فعال شہری بن سکوں۔"
"اوہ! تو پھر یہ جیل سے رہا ہو گئے۔" لڑکوں کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔
"میں نے باہر آ کر اپنی تعلیم پر توجہ دی اور کشیدہ کاری کا کام شروع کر دیا۔ اللہ رب العزت نے میرے کام میں ترقی دی اور میں آگے بڑھتا گیا۔" اب اس کے لہجے میں اعتماد آتا جا رہا تھا۔ وہ کرب کی کیفیت سے باہر آ چکا تھا اس لیے کہ اب وہ اپنے اچھے دنوں کی داستان سنا رہا تھا
"میں نے فریش بائیولوجی میں ایم۔ ایس سی کرنے بعد اسی موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی کر لی اور نو عمر ڈاکٹر بن گیا۔"
اب اس کے چہرے پر خوشی کے تاثرات نمایاں تھے۔ وہ ایک پرعزم انسان تھا، اگر وہ ہمت ہار لیتا تو کچھ بھی نہ بن پاتا۔
"میں نے جس یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، وہیں مجھے گریڈ 19 میں ڈائریکٹ اسسٹنٹ پروفیسر کی جاب مل گئی۔"
اس کی اس بات پر سب بچوں نے تالیاں بجا کر اسے داد دی۔

نیلو کی شامت

احمد عدنان طارق

آج کل نیلو بڑی تلملائی ہوئی پھر رہی تھی۔ وہ کالونی کی سب سے فربہ اور گدرائی ہوئی بلی تھی جس کی سیامی بلیوں کی طرح کی بڑی لمبی اور موٹی دم تھی مگر چست و چالاک ہونے کے باوجود آج کل وہ گویا ناکام ہو چکی تھی۔ وہ کوٹھی کے لان میں اُڑتے ہوئے پرندوں کو جو دانا چگنے نیچے گھاس پر آ بیٹھتے تھے، کا شکار کرنا چاہتی تھی مگر پرندے جیسے ہی اُسے دیکھتے فوراً پھُر سے اُڑ جاتے۔

اِن پرندوں میں سب سے تیز ایک ننھی سی خاکی رنگ کی چڑیا تھی۔ نیلو لان میں جہاں کہیں بھی چھپتی وہ چڑیا نیلو کو دیکھ لیتی اور شور مچا دیتی۔ "تیار...... ہوشیار...... دشمن جھاڑیوں میں ہے۔ دشمن جھاڑیوں میں ہے۔" تمام پرندے پروں کو جھاڑ کر فوراً ہوا میں اُڑ جاتے اور نیلو لان میں بیٹھی خاکی چڑیا کو غصے سے گھورتی رہ جاتی۔ نیلو کے پنجے بڑے مخملی اور نرم تھے اور اُس کے دوڑنے پر بھی آواز پیدا نہیں کرتے تھے مگر وہ جتنے بھی دبے پاؤں لان میں جاتی۔ پرندوں کو پتا چل ہی جاتا اور وہ شور مچا دیتے۔ "دشمن آیا...... دشمن آیا۔" نیلو کی اڑوس پڑوس کی سہیلی بلیاں اُس پر خوب ہنستیں اور اُسے سمجھاتیں بھی کہ نیلو جی! اُڑتے پرندے تمہارے بس کی بات نہیں۔ یہ بہت مشکل کام ہے اور ویسے بھی جب تمہیں کوٹھی والوں کی طرف سے پیٹ بھر کر کھانا ملتا ہے تو پرندوں کا سوچ کر کیوں دُبلی ہو رہی ہو لیکن نیلو کے ہوش و حواس پر تو کوئی پرندہ پکڑ کر چٹ کرنے کی دُھن سوار تھی جس کے لیے بیٹھی وہ ترکیبیں سوچتی رہی۔

علی ایک چھوٹا لڑکا تھا۔ جس نے نیلو کو پالا تھا۔ علی کے پاس ایک بڑا ہی خوب صورت شکاری ہیٹ تھا جس میں اُس نے سبز رنگ کے خوب صورت پر اُڑسے ہوئے تھے۔ وہ جب بھی ہیٹ پہنتا تو اپنے دوستوں کو اِترا کر بتاتا کہ یہ خوب صورت رنگ برنگے پر اُن پرندوں کے ہیں جو اُس نے اپنی ائرگن سے شکار کیے ہیں۔ وہ کبھی کبھار گھر کے لان میں ائرگن اُٹھائے سر پر شان سے ہیٹ پہنے نمودار ہوتا۔ تو بڑا بھلا لگتا۔ نیلو نے علی کے کمرے میں ہیٹ ٹانگنے کی وہ جگہ دیکھ رکھی تھی جہاں علی ہیٹ کو ایک ہینگر میں ٹانگتا تھا۔ یہ جگہ علی کے کمرے میں اُس کے کپڑوں والی الماری کے باہر تھی۔ ایک دن نیلو نے علی کو ہیٹ پہنتے دیکھا تو فوراً اُس کے لالچی ذہن میں ایک خیال بجلی کی طرح کوندا کہ اگر وہ ہیٹ کے چند

رنگ برنگ پر نکال کر اپنی موٹی اور لمبی دُم پر لگائے اور دُم کو جسم کے اردگرد لپیٹ لیے تاکہ لان میں دُور سے وہ ایک طرح کا پرندہ ہی نظر آئے تو شاید چالاک پرندے دھوکا کھا جائیں۔ جتنا وہ اس بارے میں سوچتی گئی، یہ خیال اُس کے دل کو اتنا ہی لبھانے لگا۔ آخر اُس سے رہا نہ گیا۔ لالچ میں اندھی نیلو، علی کے کمرے میں گئی اور اُس کے ہیٹ میں پنجے مار مار کر کئی رنگ برنگے پَر نکالے۔ پھر لان کے ایک کونے سے مالی بابا کے سامان میں سے ایک باریک سی تار نکالی اور اُس تار سے اپنی دُم کو مروڑ کر سارے پَر اُس پر باندھ لیے اور پھر ٹھمک ٹھمک کر چلتی ہوئی لان کے درمیان پہنچی۔ اُس کی موٹی دُم بھی پروں سے آراستہ اُس کے پیچھے گھسٹتی ہوئی آ رہی تھی۔ وہ آرام سے گھاس پر اوندھے منہ لیٹ گئی۔ منہ کو اپنے گول مٹول جسم میں چھپا لیا اور دُم کو اِس طرح مروڑ کر اپنے جسم کے اردگرد لپیٹ لیا اور پَر مور کے پروں کی طرح کھڑے ہو گئے اور دُور سے ایسے لگنے لگا جیسے کوئی پرندہ گھاس پر لیٹا ہوا محوِ خرام ہے۔

بھوری خاکی چڑیا نے نیلو کو دیکھا تو اُس نے فوراً ہی اپنی چوں چوں سے شور مچا کر دوسرے پرندوں کو بلا لیا اور تمام پرندوں کے اکٹھا ہونے کے بعد نیلو پر گفتگو شروع ہو گئی۔ کسی نے کہا کہ مور سویا ہوا ہے۔ کسی نے کہا کہ کوئی کھٹ بڑھئی زخمی ہو کر گرا ہوا ہے۔ سارے پرندے حیرت زدہ ہو کر لان میں اُتر آئے اور آہستہ آہستہ یہ معمہ حل کرنے کے لیے نیلو کی طرف بڑھنے لگے کہ قریب سے دیکھیں یہ کون سا پرندہ ہے یا کوئی زخمی ہو کر تو نہیں گرا ہوا۔

اُدھر نیلو کے دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے کہ یہ ذرا اور نزدیک آ لیں تو ایک ہی جھپٹے میں پانچ چھ پرندوں کا شکار کرے لیکن بُرا وقت بتا کر نہیں آتا۔ عین اُسی وقت پڑوس میں رہنے والی بلی رانی لان کی دیوار پر دھوپ سینکتی خراماں خراماں آ رہی تھی کہ اُس کی نظر نیلو پر پڑی جو مور بنی لان کے گھاس پر لیٹی ہوئی تھی۔ وہ ششدر رہ گئی کہ یہ کس طرح کا پرندہ لان میں پڑا ہوا ہے۔ وہ میاؤں کی ہلکی سی آواز نکال کر لان میں کود گئی۔ اُس کی ہلکی میاؤں سے بھی نیلو کے قریب آتے ہوئے تمام پرندے پھر سے ہوا میں اُڑ گئے۔ بھوری چڑیا نے دشمن آ گیا کا راگ الاپنا شروع کر دیا۔ نیلو نے تھوڑی سی آنکھیں کھول کر دیکھا تو اُسے رانی دکھائی دی۔ اُسے پرندوں کے ہوا میں اُڑ جانے کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔ پھر بھی وہ دَم سادھے دُبکی ہوئے اوندھے منہ لیٹی رہی کہ شاید رانی چلی جائے اور پرندے دوبارہ واپس آ جائیں۔

اِسی طرح اُدھر رانی حیران پریشان گھاس پر نیلو کی طرف ٹکٹکی لگا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اُسے ابھی بھی پوری طرح اندازہ نہیں ہوا تھا کہ آخر یہ کس قسم کا پرندہ ہے؟ مجبور ہو کر اُس نے اپنے پڑوس میں رہنے والی بلیوں، نغمہ اور مانو کو بھی بلوا لیا۔ اُن کے ساتھ ایک آدھ بلی اور بھی تماشا دیکھنے چلی آئی۔ اب چاروں بلیاں دائرے میں جمع ہو کر ایک دوسرے کے کان میں کھسر پھسر کر رہی تھیں۔ موضوع ظاہر ہے کہ نیلو تھی۔ نغمہ اِس بات پر حیران تھی کہ اِس پرندے کا سر نظر نہیں آ رہا، مانو کا خیال تھا کہ پرندے بلیوں کو دیکھ کر فوراً اُڑ جاتے ہیں۔ یا تو یہ پرندہ سویا ہوا ہے یا پھر اُڑ ہی نہیں سکتا۔ آخر سب بلیوں کا مشترکہ فیصلہ یہ ہوا کہ اِس پر حملہ کر کے ضیافت اُڑائی جائے۔

بس پھر کیا تھا چاروں بلیاں غریب نیلو پر ٹوٹ پڑیں۔ نیلو تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ اُس پر اس طرح کا حملہ ہو جائے گا۔ انہوں نے نیلو کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ نغمہ نے جاتے ہی نیلو کی موٹی دُم جو پروں سے لپٹی ہوئی کسی ملک کے جھنڈے کی طرح ہوا میں لہرا رہی تھی، میں اپنے پنجے گاڑ دیے۔ نیلو کا کان رانی نے منہ میں لے کر بھنبھوڑ دیا۔ چاروں بلیاں اتنے جوش و خروش سے حملے کر رہی تھیں کہ انہوں نے نیلو کی بے چارگی سے بھری میاؤں میاؤں بھی نہیں سنی اور اُسے بھنبھوڑتی رہیں۔ نیلو کی دُم پر بندھے تمام رنگ برنگے پَر خزاں میں پتوں کی طرح لان میں پھیل گئے۔ بس کرو، خدا کے واسطے بس کرو۔ میں بلی ہوں، کوئی پرندہ نہیں ہوں۔ مجھے بھنبھوڑنا بند کرو۔ نیلو کی خوف اور درد سے گھگھی بندھی ہوئی تھی۔ یہ آواز سن کر بلیوں کو سمجھ آئی اور وہ حملہ بند کر کے حیران پریشان زخمی نیلو کو دیکھنے لگیں۔ رانی چلائی۔ ”ارے یہ تو نیلو ہے!!! اے بی نیلو! تمہیں کس نے مشورہ دیا تھا کہ پروں کا لباس پہن کر لان میں لیٹ جاؤ۔“

نیلو اپنے زخم زبان سے سہلاتی ہوئی بولی۔ ''اری موئیو! میں تو پرندہ پکڑنے کے لیے سوانگ رچا کر لیٹی ہوئی تھی کہ تم سب نے اکٹھے ہو کر مجھ پر دھاوا بول دیا کہ میں سنبھل بھی نہ سکی۔ بس اب میں تمہارا کچھ نہیں کر سکتی۔ تم میری نظروں سے دُور ہو جاؤ۔ میں تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔'' چاروں بلیاں قہقہے لگاتیں وہاں سے رفو چکر ہو گئیں مگر بھوری چڑیا جو ازل سے نیلو کی دشمن تھی، ایک درخت کی پھنگ پر بیٹھی سارا تماشا دیکھ رہی تھی۔ اُس نے نیلو کو مخاطب کر کے کہا کہ بی نیلو! اب تو تمہیں سمجھ آ گئی ہو گی کہ جب بلیاں پرندوں کا شکار اپنے پنجوں سے کرتی ہیں تو اُنہیں کیسا لگتا ہے اور اُنہیں کتنا درد محسوس ہوتا ہے؟ میرے خیال میں تمہارے ساتھ بالکل صحیح سلوک ہوا ہے۔

نیلو سخت خفت اور خجالت کا شکار تھی مگر اپنے آپ کو سنبھال کر یہ ظاہر کر رہی تھی جیسے کچھ نہ ہوا ہو۔ مصیبت ابھی پوری طرح کہاں ٹلی تھی۔

علی دوستوں سے کھیل کر واپس گھر آیا تو اُس نے لان میں اپنے سب سے پسندیدہ ہیٹ کے بکھرے ہوئے پَر دیکھے تو غصے سے پاگل ہو گیا۔ پھر اُس نے نیلو کو دیکھا جس کے موٹے پیٹ پر ابھی بھی ایک اَدھ پَر چمٹا ہوا تھا۔ اُسے اُس کی کارستانی سمجھ آ گئی۔ تم نے ہی میرے ہیٹ کا ستیاناس کیا ہے۔ نیلو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ اُس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا بیٹ نیلو کی پیٹھ پر رسید کیا۔ نیلو ابھی پچھلی قیامت کے صدمہ سے ہی نہ نکلی تھی کہ اوپر سے اِس اُفتاد نے تو اُس کے اوسان ہی خطا کر دیے۔ وہ تڑپتی، میاؤں میاؤں کرتی لان میں بھاگنے لگی۔ علی بیٹ لیے اس کے پیچھے تھا۔

بھوری خاکی چڑیا نے چیں چیں کر کے دوسرے پرندوں کو بھی بلا لیا کہ بغیر ٹکٹ کے تماشا دیکھ لو۔ بھوری چڑیا نے مزے لے کر نیلو کو مار پڑنے کا آنکھوں دیکھا حال پرندوں کو سنایا۔ علی نیلو کی ٹھکائی کر کے چلا گیا۔ وہ دن گیا اور آج کا دن آیا، نیلو نے کبھی لان میں پرندہ پکڑنے کی دوبارہ کوشش نہیں کی۔ اب وہ گھر کا دودھ پیتی ہے، بچی ہوئی ہڈیاں بھنبھوڑتی ہے اور اللہ کا شکر ادا کرتی ہے۔ اُسے بہ خوبی اندازہ ہو گیا ہے کہ بلی کے پنجوں سے پرندوں کو کتنی تکلیف ہوتی ہے کیوں کہ یہ تکلیف وہ خود برداشت کر چکی ہے۔

☆☆☆

اَلْوَھَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(سب کچھ عطا کرنے والا)

اَلْوَھَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ وہ ذات ہے جس کے اپنے بندوں پر طرح طرح کے انعامات ہوں اور اتنے زیادہ ہوں کہ ان کا سلسلہ چلتا رہے، کسی لمحے ختم نہ ہو۔

تشریح: یہ اسم مبارک قرآن کریم میں 3 مرتبہ آیا ہے۔

''وہاب'' سب کچھ عطا کرنے والے کو کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم پر جو بھی نعمت ہوتی ہے وہ اللہ رب العزت کی جانب سے ہوتی ہے۔

ہمارے پاس جو نعمتیں ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں۔ بہت ساری نعمتیں ایسی ہیں کہ ہمیں ان کے نعمت ہونے کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اگر ہمارا قلم کہیں کھو جائے تو پریشانی ہوتی ہے کہ قلم کہاں کھو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی چیز کا گم نہ ہونا بھی نعمت ہے۔

وادیٔ تیہ

بنی اسرائیل ایک قوم گزری ہے۔ قرآن کریم میں اس قوم کے بہت سارے واقعات ہیں یہاں ایک ایسا واقعہ ذکر کرنا چاہتے ہیں جس میں اس قوم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی لیکن نافرمانی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر طرح طرح کی نعمتوں کی بارش برسائی۔ اس قوم کا اصلی وطن ملک شام تھا۔

ملک شام پر ''عمالقہ'' نامی ایک قوم نے قبضہ کرلیا۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ ''عمالقہ'' کے ساتھ جہاد کرو لیکن جب انہیں پتا چلا کہ عمالقہ قوم بہت طاقت ور ہے، تو یہ لوگ بزدل بن کر ہمت ہار بیٹھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے۔

''آپ کا رب اور آپ ہی جا کر لڑ لیجیے، ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے۔'' اللہ تعالیٰ نے اس ''وادی تیہ'' میں انہیں اس نافرمانی کی سزا دی۔ یہ میدان تیہ ملک مصر اور شام کے درمیان تقریباً 90 میل لمبا اور 27 میل چوڑے رقبے پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ واپس مصر کی طرف آنے لگے۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیے......! بنی اسرائیل دن بھر سفر کر کے رات کو کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے اور جب صبح ہوتی تو یہ دیکھتے کہ جہاں سے چلے تھے وہیں پر کھڑے ہیں۔

40 سال تک اسی میدان میں رہے جسے ''وادی تیہ'' کہا جاتا ہے۔ بنی اسرائیل سرگرداں و پریشان پھرتے رہے۔ تیہ کے معنی ہیں سرگردانی و پریشانی۔ اس لیے اس میدان کا نام وادی تیہ پڑ گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں پیغمبر بھی اس وادی میں ان کے ساتھ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی نافرمانی کے باوجود ان دونوں پیغمبروں کی وجہ سے انھیں طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمادیں۔

اس 40 سالہ دور میں نہ کوئی میدان تھا اور نہ کوئی عمارت تھی جس کے نیچے پناہ لے کر سردی، دھوپ سے بچا جاسکے اور نہ کھانے پینے کو کوئی سامان تھا۔ نہ پہننے کے لیے لباس، اور نہ برتنے کے لیے دیگر اشیا مگر اللہ تعالیٰ نے معجزے کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اسی میدان میں اپنی لازوال قدرت سے تمام ضروریات کے پورا ہونے کا بندوبست فرمایا کیوں کہ اس کا نام اَلْوَھَّابُ جَلَّ جَلَالُہٗ ہے۔ عطا کرنے والا، دینے والا۔ جس طرح بنی اسرائیل جاتے تو ان پر بادلوں کی چھتری تان دی جاتی۔ جہاں جاتے، بادل ساتھ ساتھ ان پر سایہ کیے ہوئے جاتے۔

یہ قوم چھ لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک پتھر عطا فرمایا۔ یہ پتھر ہر جگہ اُن کے ساتھ ساتھ رہتا۔ جب پانی کی ضرورت ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنا عصا اس پر مارتے۔ پتھر سے پانی کے بارہ چشمے جاری ہوجاتے۔ ایک چشمے سے پچاس ہزار افراد پانی پی لیتے تھے۔ یعنی بارہ چشموں سے چھ لاکھ افراد ایک ساتھ سیراب ہوجاتے تھے۔

بھوک لگتی تو درختوں پر بکثرت ترنجبین لگ جاتی۔ یہ ایک میٹھی چیز ہوتی ہے۔ یہ لوگ اسے جمع کر لیتے اور بٹیر، پرندے اُن کے پاس جمع ہوجاتے، وہ بھاگتے نہ تھے۔

یہ انہیں پکڑتے، ذبح کرتے اور کھاتے، ان دونوں چیزوں کو قرآن کریم میں من وسلویٰ کہا گیا ہے۔

رات کو اندھیرے کی وحشت دُور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے روشنی کا ایک مینار ان کے لیے کھڑا کر دیا۔ اس مینار کی روشنی میں یہ سب کام کرتے۔ ان کے کپڑے نہ میلے ہوتے اور نہ ہی پھٹتے تھے۔ بچوں کے کپڑے اُن کے بدن کے ساتھ ساتھ بڑھتے رہتے تھے۔

اس چالیس سال کے دور میں پہلے حضرت ہارون علیہ السلام کا وصال ہوا اور چھ مہینے یا سال کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی وصال فرما گئے۔ ان کے بعد حضرت یوشع بن نون کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں نبی بنا کر بھیجا۔ چالیس سال بعد حضرت یوشع بن نون کی قیادت میں اس قوم نے ملک شام کو فتح کرلیا۔

ایک پیاری دُعا

اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ سیدھے راستے پر چلائے۔ سیدھا اور نیکی والا راستہ بھی اس کی نعمت ہے۔ اگر کوئی راستہ نہ بھولے تو یہ ایک الگ نعمت ہے۔

آج کل کچھ لوگ دین کی آڑ میں طرح طرح کی گم راہیاں پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اُن کی غلط باتوں سے بچنا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہے۔ سیدھا راستہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا راستہ ہے، یہ راستہ جنت کی طرف جاتا ہے۔ اس راستے پر چلنا اور اس کا ملنا بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کے لیے ہمیں اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں سے تعلق بنانا ہوگا۔ تو آیئے! ہمیشہ سیدھے راستے پر چلتے رہنے کے لیے ایک بہت پیاری دعا یاد کریں اور اپنی ہر دعا میں اسے ضرور مانگا جائے۔ تمام بچوں کو اور بچیاں اپنی سہیلیوں کو یاد کروائیں۔ امی ابو کو بھی یاد دہانی کروائیں کہ وہ لوگ بھی اس دعا کو یاد کر کے مانگیں۔ دعا بہت آسان ہے اور آپ میں سے کئی بچوں اور بچیوں نے اسکول کی کتاب سے یاد کی ہی ہوگی۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ.

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں میں ٹیڑھ پیدا نہ کیجیے، جب کہ آپ پہلے ہمیں ہدایت دے چکے ہیں اور ہمیں اپنے پاس سے خاص رحمت عطا فرمایئے، بے شک آپ بہت زیادہ عطا کرنے والے ہیں۔

یاد رکھنے کی باتیں

اس نام مبارک سے ہمیں یہ سبق ملا کہ ہمیں ہر نعمت صرف اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی طرف سے ملتی ہے۔ ہمیں اس کی نعمتوں کی قدر کرنی چاہیے کہ یہ ساری نعمتیں اللہ تعالیٰ نے بن مانگے دی ہیں۔

جو بھی مانگیں صرف اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔ امتحان میں اللہ تعالیٰ سے اول کامیابی مانگیں اور اس کے لیے بھرپور محنت کریں۔

معجزاتِ رسولِ کریم ﷺ

شمیم اختر

معجزہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ معجزہ ایسے عظیم الشان واقعہ یا عادت وقوعہ کو کہا جاتا ہے۔ جو عام حالات میں ممکن نہیں ہوتا۔ انسانی عقل اس کی وضاحت کرنے سے قاصر ہے۔ معجزہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو وحی اور پاکی سے نوازا۔ ساتھ ہی انہیں معجزات بھی عطا فرمائے ہیں۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ ہو کوئی نبی یا رسول معجزہ نہیں دکھا سکتا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے۔

اگرچہ کسی نبی یا رسول کا اصلی معجزہ کا مطلب ہے وہ نبی اور رسول اللہ کی طرف سے اتارے گئے ہیں، جو لوگ نبی یا رسول کو ماننے سے منکر ہوتے ہیں وہ ایمان کے دائرے میں آنے کے لیے کسی عادی نشانیوں کے طلب گار ہوتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور رسولوں کو معجزے عطا فرماتا ہے تاکہ منکرین کی تسلی ہو سکے لیکن انبیاء کرام کے سچے ماننے والے نبیوں اور رسولوں سے معجزے طلب نہیں کرتے۔ حضرت خدیجہؓ اور صحابہ کرامؓ، حضورؐ پر معجزے دیکھ کر ایمان نہیں لائے تھے بلکہ حضورؐ کی صداقت اور سچائی دیکھ کر اور ان کی ہستی ہی سراپا معجزہ تھی۔

معجزات سے ان لوگوں کے ایمان میں مضبوطی آتی ہے جن کے ایمان کمزور ہوتے ہیں۔ معجزات ان کے بے چین دلوں کو تسکین دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی انبیاء اور رسول بھیجے سب کو معجزے عطا کیے، لیکن حضرت محمدؐ کی ذات اقدس کو اللہ تعالیٰ نے معجزات کا مجموعہ بنا دیا۔ حضورؐ کے اخلاق و عادات معجزہ تھے۔ حضورؐ کی شریعت معجزہ تھی۔ ان پر قرآن نازل ہوا جو معجزہ تھا اور جب قریش کے فصحا سے یہ کہا گیا کہ وہ صرف قرآن کی سورت جیسی کوئی سورت بنا لاؤ تو وہ عاجز آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو معجزات دکھائے ان کا وجود ان کی دنیاوی حیات تک رہا مگر قرآن ایسا معجزہ ہے جو تا حیات رہے گا۔ امام بوصیریؒ اپنے قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

ہیں ہمارے پاس باقی آج تک وہ آیتیں
معجزے اور انبیاء کے ہو گئے سب کالعدم

حضورؐ کی زندگی کا ہر پہلو معجزہ تھا۔ ان کی گفتگو، ان کا چلنا، ان کا وجود مبارک، ان کی رحمت، ان کی شفاعت، ان کا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا اور ان کا کام سب معجزے ہی تھے جنہیں دیکھ کر اہل ایمان کا ایمان تازہ ہو جاتا تھا۔

جب حضور ﷺ کا سینہ چاک ہوا

حضورؐ جب دو سال کے ہوئے تو حلیمہ سعدیہ نے آپ کا دودھ چھڑا دیا اور آپؐ کو آپ کی والدہ کے پاس مکہ واپس لے آئی۔ ان دنوں مکہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی۔ حلیمہ سعدیہ نے حضرت آمنہ سے عرض کیا۔

''بہتر ہوگا کہ آپ اپنے بیٹے کو مزید کچھ عرصہ میرے پاس رہنے دیں تا کہ یہ ذرا اور قوی ہو جائے اور یہاں کی وبا سے بھی محفوظ رہے۔''

لہٰذا حضرت آمنہؓ نے حضورؐ کو حلیمہ سعدیہ کے ساتھ واپس کر دیا۔ حلیمہ سعدیہ کو واپس آئے دو تین دن گزرے تھے کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ حضورؐ معمول کے مطابق اپنے رضاعی بھائی عبداللہ کے ساتھ بھیڑیں چرانے گئے ہوئے تھے کہ عبداللہ دوڑتا ہوا حلیمہ سعدیہ کے پاس آیا اور چلا چلا کر کہنے لگا۔

''اماں جان! جلدی آیئے۔ میرے قریشی بھائی کو کسی نے مار ڈالا ہے۔''

یہ سن کر حلیمہ سعدیہ اور اس کا خاوند حارث دوڑے دوڑے گئے۔ دیکھا کہ حضورؐ کھڑے ہیں اور چہرے کا رنگ بدلا ہوا ہے۔ حلیمہ سعدیہ جاتے ہی حضورؐ سے لپٹ گئی اور کہنے لگی۔

''بیٹا! کیا بات ہوگئی تھی؟''

حضورؐ نے جواب دیا۔

''اماں جان! میں اپنے بھائی کے پاس بیٹھا کھجوریں کھا رہا تھا کہ دو اجنبی شخص میرے پاس آئے جن کا لباس سفید تھا۔ انہوں نے مجھے بڑی نرمی سے زمین پر لٹا دیا۔ ایک نے ایک چمک دار چھری نکالی اور میرے پیٹ کو سینے تک چاک کر دیا۔ پھر اس نے میری انتڑیاں اور دل نکالا اور وہ میرے دل کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ اس نے میرے دل سے خون کی ایک سیاہ پھٹکی نکال کر پھینک دی اور کہا کہ یہ وہ خانہ ہے جس میں شیطان داخل ہو سکتا تھا۔ پھر دوسرا شخص آگے بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک طشت تھا جس میں چاندی جیسا پانی تھا۔ اس نے میرے دل اور انتڑیوں کو دھو کر واپس میرے پیٹ اور سینے میں رکھ دیا۔ پھر اس نے ایک مہر نکالی اور میرے دل پر لگا دی۔ پھر انہوں نے میرے پیٹ اور سینے کو سی دیا اور میرا پیٹ اور سینہ پہلے کی طرح ہو گیا۔ اس کے بعد وہ چلے گئے۔

حلیمہ اور اس کے شوہر نے حیران ہو حضورؐ کی طرف دیکھا کیوں کہ نہ تو حضورؐ کے لباس پر خون کا کوئی دھبا تھا اور نہ جسم پر چیڑ پھاڑ کی کوئی علامت موجود تھی۔ وہ حضورؐ کو اپنے گھر واپس لے آئے۔ حلیمہ سعدیہ کے خاوند نے کہا۔

''مجھے ڈر ہے کہ اس لڑکے کو کچھ آسیب ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم اسے اس کے لواحقین کے سپرد کر آؤ۔ ایسا نہ ہو کہ آسیب ظاہر ہو جائے اور ہم کسی آزمائش میں پڑ جائیں۔''

اپنے شوہر کا مشورہ مان کر حلیمہ سعدیہ حضورؐ کو مکہ واپس لے آئی اور سارا ماجرا حضرت آمنہؓ سے بیان کر دیا۔ حضرت آمنہؓ نے ساری بات سن کر فرمایا۔

''اللہ کی قسم! اسے کوئی آسیب نہیں اور نہ اس پر شیطان کا دخل ہے۔ میرا بیٹا تو بڑی شان والا ہے۔

واضح رہے کہ رسول اکرمؐ کا یہ ''شق صدر'' چار مرتبہ ہوا ہے۔ ایک تو وہ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اور یہ اس لیے تھا کہ حضورؐ ان شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہیں جن میں بچے مبتلا ہوا کرتے ہیں اور حضورؐ بچپن ہی سے اخلاق حمیدہ پر پرورش پائیں۔ دوسری مرتبہ دس برس کی عمر میں ہوا تا کہ آپؐ کامل ترین اوصاف پر جوان ہوں۔ تیسری مرتبہ غار حرا میں بعثت کے وقت ہوا تا کہ آپؐ مناجات الٰہی کے لیے تیار ہو جائیں۔

جب شاہ ایران کے محل کے کنگرے گرے

جب حضورؐ کی ولادت ہوئی تو حضورؐ کی والدہ ماجدہ کا مکان ایسا روشن ہوا کہ اس روشنی میں حضرت آمنہؓ کو شام کے محلات نظر آئے۔ ایران کے دارالحکومت میں نوشیرواں شاہ ایران کا محل پھٹ گیا اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ اس میں اشارہ تھا کہ چودہ حکمرانوں کے بعد ایران کا ملک توحید کے نام لیواؤں کے قبضے میں آ جائے گا۔ ایران کا سب سے بڑا اور مقدس آتش کدہ جس میں آگ ہزار برس سے روشن چلی آ رہی تھی، ایسا سرد پڑ گیا کہ ہر چند اس میں آگ جلانے کی کوشش کی جاتی تھی مگر نہ جلتی تھی۔ بحیرہ سادہ

جو ہمدان اور قم کے درمیان چھ میل لمبا اور چھ میل ہی چوڑا تھا اور جس کے کناروں پر شرک و بت پرستی ہوا کرتی تھی، یکا یک بالکل خشک ہوگیا اور شام و کوفہ کے درمیان وادی سادہ کی ندی جو بالکل خشک پڑی تھی، لبالب بہنے لگی۔

واللہ سواری تو وہی ہے سوار بدل گیا ہے

قریش میں دستور تھا کہ شہر کے لوگ اپنے شیر خوار بچوں کو بدوی آبادیوں میں بھیج دیا کرتے تھے تاکہ بچے کھلی فضا میں بدوؤں میں پل کر عرب کی خالص خصوصیات حاصل کریں۔ مدت رضاعت ختم ہونے پر وہ معاوضہ دے کر واپس لے آتے تھے۔ اس لیے نواح مکہ کے قبائل کی بدوی عورتیں سال میں دو دفعہ یعنی ربیع اور خریف میں بچوں کی تلاش میں شہر مکہ میں آیا کرتی تھیں۔ عام الفیل میں جو کہ حضورؐ کی ولادت کا سال ہے، قحط کی سی کیفیت تھی۔ اس قحط سالی میں قبیلہ بنو سعد کی حلیمہ سعدیہ اپنے قبیلے کی دس عورتوں کے ساتھ اس غرض سے مکہ میں آئی۔ حلیمہ کے ساتھ اس کا شیر خوار بچہ عبداللہ، اس کا شوہر حارث بن عبد العزیٰ، ایک دراز گوش اور ایک اونٹنی تھی۔ بھوک کے مارے نہ اونٹنی دودھ کا ایک قطرہ دیتی تھی اور نہ حلیمہ کی چھاتیوں میں کافی دودھ تھا۔ اس لیے بچہ بے چین رہتا تھا اور رات کو اس کے رونے کے سبب سے میاں بیوی بھی سو نہ سکتے تھے مگر جب حضورؐ حلیمہ کی گود میں آئے تو حلیمہ کی قسمت جاگی اور اور ایسی جاگی کہ ساری زحمت کافور ہوگئی۔ حلیمہ نے حضورؐ کو ان کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ سے لے کر گود میں لیا اور لیتے ہی دائیں چھاتی سے لگا لیا۔ دودھ نے جوش مارا اور حلیمہ کی چھاتیاں جیسے دودھ کے چشمے بن گئیں۔ حضورؐ نے دائیں چھاتی سے دودھ پیا اور بائیں چھاتی چھوڑ دی جس سے حلیمہ کے بچے عبداللہ نے دودھ پیا۔ اس کے بعد بھی ویسا ہی ہوتا رہا کہ حضورؐ حلیمہ سعدیہ کی صرف دائیں چھاتی سے دودھ پیتے تھے اور بائیں چھاتی حلیمہ سعدیہ کے بچے کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔

حلیمہ سعدیہ حضورؐ کو گود میں لیے ڈیرے پر پہنچی تو وہاں پھر دونوں بچوں نے سیر ہو کر دودھ پیا۔ حارث نے اٹھ کر اونٹنی کو جو دیکھا تو اس کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے جس سے میاں بیوی سیر ہو گئے اور رات آرام سے کٹی۔ تین دن مکہ میں گزار کر حلیمہ سعدیہ اپنے قبیلے کو واپس ہوئی۔ اس نے حضورؐ کو اپنے آگے دراز گوش پر سوار کر لیا۔ دراز گوش نے پہلے کعبہ کی طرف تین سجدے کر کے سر آسمان کی طرف اٹھایا اور اس طرح گویا اس خدمت کا شکریہ ادا کیا جو اس سے لی جا رہی تھی۔ پھر دراز گوش روانہ ہوئی تو حضورؐ کے سوار ہونے کی برکت سے ایسی چست اور چالاک بن گئی کہ قافلے کے سب جانوروں سے آگے چل رہی تھی حالانکہ جب مکہ کی طرف آئی تھی تو کمزوری کی وجہ سے سب سے پیچھے رہ جاتی تھی۔ ساتھ کی عورتیں حیران ہو کر پوچھتی تھیں۔

''اے ابو ذویب کی بیٹی! کیا یہ وہی سواری ہے؟''

اور حلیمہ جواب دیتی۔

''واللہ! سواری تو وہی ہے، سوار بدل گیا ہے۔''

بنو سعد کے قبیلے میں اس وقت سخت قحط تھا مگر حضورؐ کے دم قدم کی برکت سے حلیمہ سعدیہ کے مویشی سیر ہو کر آتے تھے اور خوب دودھ دیتے تھے۔

جب بادل نے حضور ﷺ پر سایہ کیا

حلیمہ سعدیہ حضورؐ کو کسی دور جگہ نہ جانے دیتی تھی۔ ایک روز وہ کسی اور کام میں مشغول تھی۔ چنانچہ حضورؐ اپنی رضاعی بہن شیما کے ساتھ دوپہر کے وقت بھیڑوں کے ریوڑ میں چلے گئے۔ حلیمہ سعدیہ اپنے کام سے فارغ ہوئی اور اِدھر اُدھر دیکھا تو حضورؐ کو موجود نہ پایا۔ وہ گھبرا کر حضورؐ کی تلاش میں نکلی اور تلاش کرتی کرتی بھیڑوں کے ریوڑ کے پاس جا پہنچی جہاں حضورؐ اپنی رضاعی بہن شیما کے ساتھ موجود تھے۔ حلیمہ سعدیہ نے اپنی بیٹی کو ڈانٹا کہ ایسی شدید گرمی میں اور عین دوپہر کے وقت اپنے بھائی کو یہاں کیوں لے کر آئی ہو۔ اس پر شیما نے جواب دیا:

''اماں جان! میرے بھائی نے گرمی بالکل محسوس نہیں کی۔ بادل ان پر سایہ کرتا رہا تھا۔ جب یہ ٹھہر جاتے تو بادل بھی ٹھہر جاتا اور جب چلتے تو بادل بھی چلتا۔ یہی حال رہا، یہاں تک کہ ہم اس جگہ آ پہنچے۔''

☆☆☆

''یہ ضروری نہیں کہ کسی بڑے آدمی نے کوئی چیز لکھ دی ہے تو وہ درست بھی ہو۔ سوال کی گنجائش ہمیشہ رہی ہے، لیکن سوال عالمانہ تجسس پر مبنی ہونا چاہیے۔ اس میں شرم کبھی محسوس نہ کریں۔ سائنس کی یہی خوبی مجھے سب سے زیادہ پسند ہے کہ اس میں انسان کے لیے ایک بہت خوب صورت چیز یعنی تبدیلی موجود ہے۔ سائنس میں سچائی کی تلاش جغرافیائی حدود اور مختلف خطوں کی پرواہ کیے بغیر جاری رہی ہے۔''

فقط یہ مختصر رائے نہیں بلکہ بم کا گولہ تھی جو 1970ء کے عشرے میں نوبل انعام یافتہ سائنس دان سر رابرٹ رابنسن کا کام غلط ثابت کر کے ایک پاکستانی نوجوان سائنس دان نے دی۔ اُس وقت اس کی عمر صرف 29 سال تھی۔ انہیں آج ہم ڈاکٹر عطاء الرحمٰن کے نام سے جانتے ہیں۔

پاکستان کے یہ مایہ ناز سائنس دان 22 ستمبر 1942ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا سر عبدالرحمٰن تھے جو دہلی یونی ورسٹی کے پہلے مسلمان وائس چانسلر تھے۔ گویا درس و تدریس اور علم کی شمع انہیں وراثت میں ملی تھی۔ جب پاکستان کی آزادی کا اعلان ہوا تو جہاں دوسرے مسلمان ہجرت کر کے نئے ملک پاکستان آئے، وہیں اُن میں یہ قابل فخر سائنس دان ڈاکٹر عطاء الرحمٰن بھی شامل تھے۔

ڈاکٹر عطاء الرحمٰن نے ابتدائی تعلیم کراچی گرائمر اسکول سے حاصل کی۔ بعد میں 1964ء میں کراچی یونی ورسٹی سے نامیاتی کیمیا (Organic Chemistry) میں اوّل درجے کے ساتھ ایم ایس سی کیا۔ 1968ء میں انہوں نے کیمبرج یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی اور کنگز کالج، کیمبرج کے فیلو (Fellow) منتخب ہو گئے۔ وہاں تحقیقی کاموں میں مصروف ہو گئے۔ اسی دوران انہوں نے سر رابرٹ رابنسن کے بارے میں اپنی رائے دے کر بین الاقوامی شہرت حاصل کی۔ وہ 1973ء تک کیمبرج کے اس کالج سے وابستہ رہے جہاں تدریس ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ واپس کراچی آ کر جامعہ کراچی کے فعال شعبے ''حسین ابراہیم جمال انسٹی ٹیوٹ آف کیمسٹری'' سے منسلک ہوئے اور وہاں ایک اور قابل احترام کیمیا دان ڈاکٹر سلیم الزمان صدیقی کے ہمراہ اپنے تحقیقی کام کو آگے بڑھایا۔

1990ء میں انہیں اس ادارے کا ڈائریکٹر بنایا گیا۔ ڈاکٹر سلیم الزمان صدیقی اور ڈاکٹر عطاء الرحمٰن کی کوششوں سے اس ادارے کو کیمیائی تحقیق کے حوالے سے تیسری دنیا میں اول درجہ حاصل ہوا ہے۔ اس کے علاوہ اس ادارے کا یہ اعزاز بھی ہے کہ پاکستان بھر کی تمام جامعات سے پی ایچ ڈی کرنے والوں میں سے نصف کی تعداد کا تعلق اس ادارے سے ہے۔ یہ بات بھی ریکارڈ پر ہے کہ گزشتہ صدی کے آخری سالوں میں جرمنی کے 50 سے زائد طالب علموں نے یہاں تعلیم حاصل کی۔

جامعہ کراچی کا شعبہ ''HEJ'' دراصل کراچی کے صنعت کار لطیف ابراہیم جمال کے دیے ہوئے پچاس لاکھ روپے کے عطیے سے قائم کیا گیا تھا۔ اس ادارے کا منصوبہ حکومت نے 1976ء میں منظور کیا تھا۔ اس خطیر رقم کے عطیے کے اعتراف میں اس ادارے کو لطیف ابراہیم جمال کے بڑے بھائی حسین ابراہیم جمال کے نام سے موسوم کیا گیا۔ پروفیسر وولٹیر کی کوششوں سے جرمنی کی حکومت نے بھی نقد عطیہ اور ضروری نوعیت کے الیکٹرانک آلات فراہم کیے۔ اس ادارے کے قیام کے بعد ڈاکٹر عطاء الرحمٰن کی کوششوں سے اس ادارے نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی اور

اسے دنیا کے کئی ممالک نے عطیات سے نوازا جن میں برطانیہ، جرمنی اور جاپان جیسے ممالک سرفہرست ہیں۔

صرف پاکستان کے ہی نہیں بلکہ دیگر کئی دوسرے ممالک سے تعلق رکھنے والے کئی طالب علموں نے ڈاکٹر عطاء الرحمٰن کی زیرنگرانی اپنے مقالات مکمل کیے اور ڈاکٹریٹ کی سند لی۔ اس کے علاوہ چار سو کے قریب اُن کے تحقیقی مقالات اور سائنسی کارناموں کے خلاصے بین الاقوامی جرائد میں شائع ہو کر مقبولیت پا چکے ہیں۔ پاکستان کے اس قابل فخر سپوت کا ایک اعزاز یہ بھی ہے کہ انہوں نے 60 سے زائد سائنسی کتابیں لکھیں جن میں 40 سے زائد کتابیں یورپ کی سائنسی درسگاہوں میں بہ طور نصاب شامل ہیں۔

''Comstech'' 57 اسلامی ممالک کی سائنسی ترقی و ترویج سے متعلق ادارہ ہے۔ اس کی نگرانی کا کام بھی 20/ مارچ 2000ء کو انہیں سونپا گیا۔ اس تنظیم کے زیر اہتمام اسلام آباد میں ایک ڈیجیٹل لائبریری قائم کی گئی ہے، جہاں تمام ممبر اسلامی ممالک میں سے کسی بھی فرد سے پوچھے گئے سائنسی سوال کا جواب 24 گھنٹوں میں دیا جاتا ہے۔ ان ہی ذمہ داریوں کے دوران ڈاکٹر عطاء الرحمٰن کچھ عرصے کے لیے پاکستان کی وزارتِ سائنس کے وفاقی وزیر بھی رہے۔ ان کی ان بے پناہ مصروفیات کو دیکھ کر جب ایک صحافی نے ان سے سوال پوچھا کہ آپ اتنے سارے کاموں کے لیے وقت کیسے نکال لیتے ہیں تو ان کا جواب بے حد دلچسپ بھی تھا اور دوسروں کے لیے کارآمد بھی۔ انہوں نے کہا:

''میں وقت چوری کرتا ہوں۔ بات دراصل یہ ہے کہ وقت تو الاسٹک (لچک دار چیز) ہے، جتنا آپ کھینچیں گے، اتنا ہی ملے گا۔ جب میں طالب علم تھا تو ڈراموں میں بھی حصہ لیتا تھا۔ ڈراموں کے دوران میں اپنا کام کرتا اور کتاب کھول لیتا۔ دوبارہ اسٹیج پر جانے کی ضرورت ہوتی تو پھر چلا جاتا۔ وقت تو ہمیشہ مصروف لوگوں کے پاس ہی ہوتا ہے۔ کم مصروف لوگ ہمیشہ وقت کی کمی کی شکایت کرتے ہیں۔''

ڈاکٹر عطاء الرحمٰن یورپ اور امریکا سے شائع ہونے والے کئی رسائل کے مدیر بھی رہے۔ انہوں نے جاپانی پروفیسر کے ساتھ مل کر نیوکلیئر ٹیکنالوجی سے متعلق ایک کتاب کا جاپانی زبان میں ترجمہ کیا۔

انہیں اعلیٰ ترین تعلیمی اور تحقیقی خدمات کے اعتراف میں کئی بین الاقوامی اعزازات کا مستحق قرار دیا گیا، جن میں ایرانی حکومت کا 1993ء میں دیا جانے والا خوارزمی ایوارڈ بھی ہے۔ انہیں 52 سائنس دانوں کے مقابلے میں اس ایوارڈ کا حق دار قرار دیا گیا۔ محمد بن موسیٰ الخوارزمی مسلمان ماہر فلکیات اور ریاضی دان تھے۔ 780ء میں پیدا ہونے والے اس سائنس دان کی ریاضی میں دو کتابیں ''الحساب'' اور ''جبر و مقابلہ'' تاریخی حیثیت کی حامل ہیں۔ کہتے ہیں کہ اہلِ یورپ نے ریاضی ان ہی دو کتابوں سے سیکھیں۔ 850ء میں اسی سائنس دان کا انتقال ہوا۔

1988ء میں حکومت کویت نے انہیں اسلامک آرگنائزیشن ایوارڈ دیا تھا۔ اقوام متحدہ کی زیرنگرانی تعلیم و تحقیق و ترویج کے لیے قائم کردہ ادارے ''یونیسکو'' نے بھی انہیں ''سائنس پرائز'' سے نوازا جو ایک طویل عرصے بعد کسی مسلمان سائنس دان کے حصے میں آیا تھا۔ ڈاکٹر عطاء الرحمٰن کو یہ انعام سدا بہار پودے سے کینسر کے خاتمے کے لیے کیمیائی مرکبات کی تلاش پر دیا گیا تھا۔

حکومت پاکستان نے بھی اُن کی بے پناہ خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں متعدد اعزازات سے نوازا۔ جن میں تمغہ امتیاز 1983ء، ستارہ امتیاز 1991ء، ہلال امتیاز 1998ء اور نشانِ امتیاز 2002ء کے علاوہ صدارتی گولڈ میڈل ایوارڈ اور برائے سال 1986ء کا بہترین سائنس دان سمیت دیگر ایوارڈز شامل ہیں۔

ڈاکٹر عطاء الرحمٰن ''Comstech'' کے کوآرڈی نیٹر جنرل جولائی 2012ء تک رہے۔ اس وقت وہ انٹرنیشنل مرکز برائے کیمیا اور حیاتیاتی سائنس کے سرپرست اعلیٰ ہیں۔

سوال یہ ہے کہ............!

میں بہ ذریعہ قرعہ اندازی انعام یافت گان کے نام

1۔ رافعہ یونس، لاہور
2۔ مہرین مسکان، لیہ
3۔ محمد احسن کامران، راول پنڈی

یہ چیزیں خاکے میں چھپی ہوئی ہیں۔ آپ ان چیزوں کو تلاش کیجیے اور شاباش لیجیے۔

''نعمان تمہارا ایف ایس سی کرنے کے بعد کیا کرنے کا ارادہ ہے؟'' طیب نے پوچھا۔

''میں تو اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرون ملک جاؤں گا۔'' نعمان نے جواب دیا۔

''یار! یہاں کیا مستقبل ہے نوجوانوں کا، بے روز گاری ہے۔ پڑھائی کی کیا اہمیت ہے یہاں؟''

''نعمان! بے شک پاکستان میں بہت سی خامیاں ہیں، لیکن کیا مسئلے کا یہی حل ہے کہ سب ان مسائل سے جان چھڑا کر بھاگ جائیں۔'' طیب نے افسوس سے کہا۔

''اچھا! یہ سب باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ کل 23 مارچ ہے پکنک کے لیے نہ چلیں؟'' نعمان نے کہا۔

''ہاں ہاں! چلیں گے۔ بہت مزا آئے گا۔'' سہیل بولا۔

''مجھے بہت افسوس ہوتا ہے کہ ہم کوئی بھی دن مناتے ہیں تو چھٹی کر لیتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ہم اس دن کی اصل روح کے مطابق دن منائیں۔ کیا 23 مارچ پکنک کے لیے منایا جاتا ہے؟'' طیب نے بہت افسوس سے کہا۔

''ہمیں معلوم ہے تم بہت محبِ وطن ہو۔ ہم تمہاری قدر کرتے ہیں جناب۔'' سب نے اس کا مذاق اُڑایا۔ سب نے پکنک کا پروگرام طے کیا اور اپنے اپنے گھر چل دیے۔

نعمان نے گھر آ کر کھانا کھایا، وہ بہت تھک چکا تھا۔ اسے پاکستان سے باہر تعلیم حاصل کرنے کا بہت جنون تھا۔ وہ مستقبل کے سہانے خواب دیکھا کرتا۔ وہ انہی سپنوں میں کھو گیا اور اس کی آنکھ لگ گئی۔

وہ پاکستان سے روانہ ہوا سب گھر والے اسے چھوڑنے کے لیے ائیر پورٹ گئے۔ وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرون ملک جا رہا تھا۔

''ڈرائیور! گاڑی تیز چلاؤ، ہمیں دیر ہو رہی ہے۔'' نعمان نے ڈرائیور کو کہا۔ ''صاحب جی! اب میں سرخ بتی کو کراس تو نہیں کر سکتا۔'' ڈرائیور نے جواب دیا۔

''زیادہ باتیں نہ بناؤ اور تیز چلاؤ۔'' نعمان نے اسے ڈانٹا۔

ایک جگہ پر ڈرائیور نے اسی تیزی میں سرخ بتی کراس کر لی۔ نعمان بڑے مزے سے بیٹھا رہا۔ اسے احساس نہ ہوا کہ اس نے کتنی غیر مہذب حرکت کی ہے۔ ڈرائیور نے دبے لفظوں میں اسے سمجھایا لیکن اس نے اسے خاموش کرا دیا۔

اب وہ دوبارہ ائر پورٹ کی جانب رواں دواں تھے۔ نعمان

نے کینو نکالے اور کھانے لگا۔ کینو کھانے کے بعد چھلکے اس نے کھڑکی سے باہر سڑک پر پھینک دیے۔ صاف ستھری سڑک پر کینو کے چھلکے سڑک کی خوب صورتی کو بدنما کر رہے تھے۔

ائرپورٹ سے وہ اندر لاؤنج میں پہنچے۔ وہاں بورڈنگ پر لوگ قطار میں کھڑے تھے۔ نعمان کو یہ دیکھ کر کوفت ہونے لگی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ قطار توڑ کر آگے نکل جائے۔ اس نے لوگوں سے تکرار کی اور ماحول قدرے بوجھل ہو گیا۔ طویل سفر کے بعد وہ پاکستان کی حدود سے نکل کر ایک نئی دنیا میں پہنچ گیا۔ اپنے وطن سے بہت مختلف اور الگ دنیا میں۔ اس کے والد اور ان کے دوست بلال نے اسے ائرپورٹ پر خوش آمدید کہا۔ اب سب فلیٹ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ شام کا وقت ہونے لگا تھا۔ بلال جسے وہ انکل بلال کہہ کر مخاطب کرنے لگا تھا، نے اسے چائے کے ساتھ لوازمات پیش کیے۔ نعمان طویل سفر سے تھک چکا تھا۔ اس نے چائے پی اور صوفے سے ٹیک لگا لی۔ بلال اس کے والد کا دوست تھا۔ یہ ایک انگریز حبشی تھا جس نے اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ اس کو حضرت بلالؓ سے بہت عقیدت تھی لہٰذا اس نے اپنا اسلامی نام بھی بلال ہی رکھا۔ بلال اگرچہ نومسلم تھا لیکن اسلامی تعلیمات کے بارے میں بہت معلومات رکھتا تھا۔

مغرب کی نماز کا وقت ہو رہا تھا۔ نعمان کی آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں۔ بلال نے وضو کیا اور نماز کے لیے مسجد میں جانے کے لیے تیار ہونے لگا۔ اس نے نعمان کو نماز کا کہا۔ نعمان نے سستی سے آنکھیں دوبارہ موند لیں۔

''نعمان بیٹا! قرآن مجید میں نماز ادا کرنے کا بہت سختی سے حکم دیا گیا ہے۔ یہ فرض ہے جسے آپ چھوڑ نہیں سکتے۔'' بلال انکل نے اسے سمجھایا۔

''اب تم اٹھو اور نماز ادا کرو۔'' سورۃ لقمان میں ارشاد باری ہے:

''جو نماز قائم رکھتے ہیں اور وہ جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی مراد کو پہنچے۔''

نعمان بہت نادم ہوا اور نماز کے لیے تیار ہو گیا۔ وہ بلال کے پختہ عقیدے اور اسلام کے عملی مظاہرے سے بہت متاثر ہوا۔ وہ سوچنے لگا کہ میں کیسا مسلمان ہوں جو ایک نومسلم کے مقابلے میں دین سے کتنا دور ہے۔

کچھ دنوں بعد بلال انکل اسے سیر کے لیے لے کر گئے۔ نعمان نے بہت لطف اٹھایا۔ وہ سڑک پر چلتے جا رہے تھے۔ اس کے ہاتھ میں کھانے پینے کی اشیاء کے لفافے تھے۔ وہ کھاتا جاتا اور سڑک پر چھلکے اور خالی لفافے پھینکتا جاتا۔ ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ ایک پولیس مین اس کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ اس کے ہاتھ میں اس کے پھینکے گئے لفافے وغیرہ تھے۔ پولیس مین نے اسے جرمانہ کیا اور آئندہ ایسی غلطی نہ کرنے کی تاکید کی۔

نعمان بہت پشیمان ہوا۔ انکل بلال اسے بہ غور دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے بتایا۔

''نعمان! یہاں تم نے دیکھا ہو گا کہ کتنی صفائی ہے یہاں سب لوگ صفائی کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ کوڑا پھینکنا اور تھوکنا جرم ہے۔ بیٹا! میرے دین اسلام کا ایک حکم ہے کہ صفائی ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔''

نعمان نے ان کی بات کو غور سے سنا اور سوچا۔ ''یہاں کتنی پابندیاں ہیں۔ کیا میں اس ماحول کو اپنا لوں گا۔''

آج وہ ایک شاپنگ سنٹر میں گئے۔ سنٹر کے ایک حصے میں کچھ اشیاء کم نرخوں پر دی جا رہی تھیں۔ سیلز مین تمام گاہکوں کو رعایتی نرخ کی وجوہات بتاتا جا رہا تھا کہ اس چیز میں فلاں نقص یا خامی ہے۔ نعمان بہت حیران ہوا لیکن اس کے اپنے وطن میں کھلم کھلا، سرعام ملاوٹ کی جاتی تھی۔ کم ناپ تول رکھا جاتا تھا۔ انکل بلال نے سورۃ انفال کی ایک آیت تلاوت کی: ''بے شک خیانت کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔'' انکل بلال اسے آئینہ دکھا رہے تھے۔

''نعمان، خریداری میں مال کا نقص بتا دینا سنت رسول کریمؐ ہے کہ گاہک کو پہلے مال کے عیب کے بارے میں بتا دو۔ ہمارے پیارے نبیؐ کی امانت داری کی کفار بھی قسم کھاتے تھے اور انہیں صادق و امین کہتے تھے اور تم جانتے ہو حضرت شعیبؑ کی قوم پر ناپ تول کی کمی کرنے پر عذاب نازل کیا گیا تھا۔'' انکل بلال نے کہا۔

یہاں راستے اور گلیوں میں کہیں مجمع دکھائی نہ دیتا تھا۔ لوگ

گزرگاہوں پر رکاوٹیں کھڑی نہ کرتے تھے۔ کہیں بھی لوگوں کے گروہ راستوں میں باتیں کرتے نہ نظر آتے تھے۔ اگر کسی کو کوئی گم شدہ چیز مل جاتی تو اسے اس شخص کے پاس پہنچا دیا جاتا تھا۔ یہاں لوگوں میں درگزر اور برداشت کرنے کا مادہ پایا جاتا تھا۔ معذرت کرنے اور شکریہ ادا کرنے کا عام رواج تھا۔

یہاں انسانی جان کی بہت اہمیت تھی۔ کسی بھی حادثے یا آفت میں لوگ تن دہی سے انسانی جان بچانے کی کوشش کرتے تھے۔ ایسا نہ تھا کہ کسی حادثے پر پولیس کے چکروں میں انسانی جان ضائع ہو جاتی۔ لوگ اپنے ہاتھ سے کام کرنا پسند کرتے تھے۔ نوکر رکھنے کا رواج نہیں تھا۔ اسی نے پڑھا تھا کہ ہمارے پیارے نبیؐ اپنا کام خود کیا کرتے تھے۔ بکریوں کا دودھ دوہ لیتے تھے، اپنے جوتے گانٹھ لیتے تھے۔ یہاں صدر، وزیراعظم اور عوام کے نمائندے سیاست دان عام انسانوں کی طرح رہتے تھے۔ انہیں وی آئی پی پروٹوکول نہیں ملتا تھا۔ وی آئی پی لوگوں کے لیے کبھی سڑکیں بلاک نہیں ہوتی تھیں، کہیں بھی وی آئی پی ہارن بجاتی گاڑیاں عوام کے لیے مصیبت نہیں بنتی تھیں۔

انکل بلال نے بتایا۔ ''حضرت عمرؓ رعایا کی خبر گیری رکھتے تھے۔ لوگوں کی شکایتیں سنتے تھے۔ راتوں کو گلیوں کا گشت لگاتے تھے۔ ایک دفعہ اپنے دارالخلافہ سے باہر آ رہے تھے۔ راہ میں ایک خیمہ دیکھا۔ سواری سے اتر کر اس خیمے کے پاس گئے۔ انہیں ایک بڑھیا نظر آئی، اس سے پوچھا۔ ''عمر کا کچھ حال معلوم ہوا؟'' اس نے کہا۔ ''ہاں شام سے روانہ ہو چکا ہے لیکن خدا جانتا ہے کہ آج تک مجھ کو اس کے ہاں سے ایک جبہ بھی نہیں ملا۔''

حضرت عمرؓ نے کہا۔ ''اتنی دور کا حال عمر کو کیوں کر معلوم ہو سکتا ہے؟'' بولی کہ ''اس کو رعایا کا حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کر رہا ہے؟'' حضرت عمرؓ کو سخت کوفت ہوئی اور سخت رقت طاری ہوئی، بے اختیار رو پڑے۔ نعمان اس سنہری دور میں گم تھا۔ وہ اپنے وطن کے وی آئی پی کلچر سے خوب آگاہ تھا۔ اس نے پڑھا تھا کہ حضرت عمرؓ سفر میں، بازار میں ایک عام شخص کی طرح رہتے تھے کہ کوئی جان نہیں سکتا تھا کہ یہ خلیفہ ہیں یا عام شخص۔ نعمان بہت مغموم تھا اس پر ایک جھرجھری سی طاری ہوئی۔

''ہائے افسوس! ہماری گم شدہ میراث اس قوم کے پاس ہے۔'' نعمان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

انکل بلال بہت خوش تھے وہ نعمان کی بدلتی حالت دیکھ رہے تھے۔ ''نعمان! جسے تم پابندیاں اور گھٹن کہتے ہو یہ پابندیاں نہیں، یہ ضابطہ حیات ہے جو ہمیں قرآن و سنت سے ملا ہے۔''

''صد افسوس! میری میراث میرا دین، میرا قرآن، میری سنت پر اس قوم نے عمل کیا اور دنیا میں عروج حاصل کر لیا۔ صد افسوس! ہم نے اس میراث کو کھو دیا۔ ماضی میں دنیا پر مسلمانوں کی حکمرانی جو مثالی تھی اس کے ذہن کے پردے پر چلنے لگی۔''

''میں نے اپنی ماں سے ملنا ہے۔'' نعمان نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

''بیٹا! ابھی کل ہی تو تم نے بات کی ہے اپنی اماں جان سے؟'' انکل بلال نے کہا۔

''انکل! میں اپنی اس ماں سے ملنے کے لیے بے چین ہوں جس کی عمر 65 سال ہے۔ جسے ہم نے بہت دکھ دیے، جسے ہم نے اور میرے بزرگوں نے اپنی خود غرضی اور ہوس کی بھینٹ چڑھا دیا۔ انکل! میں نے کبھی اپنی ماں کو خوش نہیں کیا۔ ہم سڑکوں، بازاروں اور پارکوں کو گندہ کرتے ہیں، ہم ملاوٹ کر کے، خیانت کر کے، رشوت لے کر اپنی ماں کی بنیادوں کو کمزور کرتے ہیں اور اس کی عظمت کو گرہن لگا رہے ہیں لیکن اس کے باوجود میری ماں مجھے اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ میری ماں نے آزادی کی نعمت دی اور ہم اس نعمت کی قدر نہیں کر رہے ہیں۔ انکل! ہم اپنی ماں کی خود غرض، لالچی اور بے فیض اولاد ہیں۔ جسے ہم بہت ناراض کرتے ہیں لیکن یہ ہمیں کبھی مایوس نہیں کرتی، اپنی گرم آغوش میں لے لیتی ہے۔''

نعمان بات کرتے کرتے رو پڑا، اٹھا اور پاکستان کے جھنڈے کو بوسا دے کر بولا۔

''انکل! یہ ہے میری ماں جس نے مجھے پیدا تو نہیں کیا لیکن ایک آزاد گھر دیا ہے۔ میرا وطن میری ماں ہے۔ اس کی مٹی میرے سر پر سونے کے تاج کی طرح ہے۔ انکل! بس آپ جلدی سے مجھے میرے پیارے وطن پاکستان بھجوا دیں۔''

انکل بلال کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں تھے وہ پاکستانی تو

نہیں تھے لیکن مسلمان تو تھے اور پاکستان بھی ان کے بھائی کی طرح تھا۔

نعمان پاکستان واپس چلا آیا۔ ائر پورٹ سے گھر جاتے ہوئے اس نے ڈرائیور سے کہا کہ گاڑی مینارِ پاکستان کی طرف موڑ لو۔ ڈرائیور نے گاڑی کا رخ مینارِ پاکستان کی طرف موڑ دیا۔ یہ صبح صادق کا وقت تھا۔ نعمان مینارِ پاکستان کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ سفیدی اور دھند مزید گہری ہونے لگی۔ اسے یوں لگا جیسے کچھ روحیں سفید لباس پہنے نیچے اتر رہی ہیں، اس نے غور سے دیکھا تو یہ قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کی روحیں تھیں۔ قائد بہت افسردہ تھے۔

''اے قائد! آپ کیوں اداس ہیں؟'' اقبالؒ نے پوچھا۔

''اقبال! تم دیکھتے نہیں تیرے پاکستان کا کیا حال ہوا ہے؟ میں نے اور بے شمار لوگوں نے بہت سی قربانیاں دی ہیں اس آزاد وطن کے لیے۔ اقبال! میرا دل روتا ہے۔ میرے پاکستان کی جو حالت ہے۔ اسے دیکھ کر میرا جگر پارہ پارہ ہے۔ مضبوط پاکستان میرا دل ہے۔ اس کے صوبے میرے جگر کے ٹکڑے ہیں۔ یہ بکھر گئے ہیں، متحد کیوں نہیں۔''

آہستہ آہستہ مادر ملت فاطمہ جناح اور تحریک پاکستان کے کارکن اور 1947ء میں شہید ہونے والی روحیں جمع ہونا شروع ہو گئیں۔ ان روحوں کی سسکیاں دلوں کو پگھلا رہی تھیں۔

''ہم وہ مائیں ہیں جن کے معصوم اور شیر خوار بچوں کو چھری سے ذبح کیا گیا۔ ہمارے بزرگ عورتوں اور مردوں کی آنکھیں پھوڑ ڈالیں۔ بزرگوں کے گلے میں پھندے ڈال کر درختوں سے لٹکا دیا گیا اور زندہ آگ لگا دی گئی۔ معصوم بچوں کا گلا گھونٹا گیا۔''

''میرے پیارے بیٹو! شیر خوار بچوں کو ماؤں کی چھاتیوں پر کاٹا گیا۔ ہم نے تمہارے لیے آزادی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔'' اور یہ سسکیاں بلند ہوتی گئیں۔ اب بہت سے لوگ یہاں جمع ہو گئے۔

''میرے بیٹو! ہم تمہاری بہنیں ہیں جن کی عزتیں لوٹی گئیں۔ ہم نے اپنی عزت بچانے کے لیے کنوؤں میں چھلانگ لگا دی، حتیٰ کہ سینکڑوں کنویں باعصمت نوجوان لڑکیوں سے بھر گئے۔ ہر اسٹیشن پر لاشوں کا انبار لگ جاتا تھا۔ مسلمان بچوں کو جلتی آگ میں پھینکا گیا۔'' تمام شہید روحیں مجمع میں لوگوں کو دل سوز واقعات سنا رہی تھیں۔ اب نعمان کے ساتھ بہت سا ہجوم تھا۔ ان سب کے یہ واقعات سن کر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

''اقبال جب میں نے پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد مہاجرین کے روح فرسا واقعات سنے تو میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے لیکن میں نے اپنے آپ پر قابو رکھا اور مہاجرین کو دلاسا دیا کہ آپ لوگوں نے جو قربانیاں دی ہیں اور آپ کے عزیزوں کا جو خان بہا ہے اس سے پاکستان کی عمارت کی بنیاد پڑی ہے اور مجھے امید ہے کہ ان قربانیوں کا صلہ آپ کے بچوں کو ملے گا۔'' قائدؒ کے چہرے پر کرب تھا۔

''اے قائد مایوس نہ ہو۔ یہ قوم بھٹک گئی ہے۔ ان کے راہ نما مثالی نہیں ہے۔ کیوں کہ

کوئی کاررواں سے ٹوٹا کوئی بدگمان حرم سے
کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی

اے قائد! مایوس نہ ہوں۔ یہ آپ کے نوجوان میرے شاہین بچے یہ آپ کو مایوس نہیں کریں گے۔''

اقبال نے قائد کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''اے اقبال! اس قوم کے وعدوں کا کیا اعتبار کروں۔ یہ قوم وعدے کرتی ہے پھر بھول جاتی ہے۔ یہ قوم مجھے اُمید دلاتی ہے اور پھر مایوسی کے اندھیروں میں دھکیل دیتی ہے۔'' قائد کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

نعمان اور اس کے ساتھ نوجوان، بوڑھے، بچے اکٹھے ہو رہے تھے۔ وہ سب دم بخود یہ سب دیکھ رہے تھے۔ ان کے دل پگھل رہے تھے۔ ان کے اوپر سے خود غرضی کی تہہ اتر رہی تھی۔ وطن کی محبت اور خلوص کا رنگ چڑھ رہا تھا۔ تمام روحیں انہیں امید بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ روحیں اب اقبال سے مخاطب ہوئیں۔ ''اے اقبال! بے شک آپ درست فرماتے ہیں لیکن ان نوجوانوں کی

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل، وہ آرزو باقی نہیں ہے

میری ماؤں، بہنوں اور بزرگوں ایسا نہیں ہے۔ انہی نوجوانوں

بے لوث محبت ہو، بے پاک صداقت ہو
سینوں میں اُجالا کر، دل صورت مینا دے
قائدؒ، اقبالؒ اور تمام روحیں اس مجمعے کو دیکھتے ہوئے آسمان پر دھند لکے میں غائب ہوگئیں۔ مینار پاکستان میں بے پناہ ہجوم تھا۔ سب لوگ زار و قطار رو رہے تھے۔ ان کے دل میں اپنے پیارے وطن پاکستان کی محبت کا سمندر موج زن تھا۔ سب کے دلوں میں نیا عزم اور ولولہ تھا۔ نعمان اور مجمعے نے ہاتھوں کو اوپر اٹھا کر پرجوش نعرہ لگایا۔

''آؤ تجدید عہد کریں
جاں وطن پر نثار کریں''

اس تجدید عہد میں وہ سارا ہجوم بھی شامل تھا۔ نعمان تو اکیلا ہی چلا تھا لیکن یہ ہجوم اب کارواں میں بدل گیا تھا۔ یہ کارواں تجدید عہد کا نعرہ لگاتے ہوئے پیارے وطن کو اب عروج پر پہنچانے کے لیے تیار تھا۔

نعمان نیند سے یک دم چونک کر اٹھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس کی قمیص آنسوؤں سے تر تھی۔ ''آج 23 مارچ کا یادگار دن ہے۔'' ٹیلی وژن پر یہ جملہ دھرایا جا رہا تھا۔ ''اوہ! آج 23 مارچ ہے۔'' نعمان بڑبڑایا۔

اس نے اپنے تمام دوستوں کو اپنے گھر بلایا۔ پکنک کا پروگرام ملتوی ہو چکا تھا۔ نعمان نے اپنے سب دوستوں کو تیار کیا کہ ہم سب بارش کا پہلا قطرہ بنیں گے۔ ان سب نے اپنے محلے کی صفائی کی پھر انہوں نے اپنے ہی گھر میں بچوں کو مفت پڑھانے کا آغاز کیا۔ تجدید عہد کا یہ یادگار دن واقعی یادگار بن گیا۔ یہ دن عام چھٹی کا دن نہیں رہا تھا۔ اب وہ اقبالؒ کے شاہین تھے اور ان کی زندگی کا مقصد قائدؒ کے فرمان ایمان، اتحاد اور تنظیم پر عمل کرنا تھا۔

اب نعمان نے بھی پاکستان میں تعلیم حاصل کرنے کا عزم کیا۔

☆☆☆

میں سے میر کارواں نکلیں گے جن کی

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

ان کے ہاتھ میں خودی کی تلوار ہے خودی کا راز لا الہ الا اللہ میں ہے۔ یہ کلمہ خودی کی تلوار کو تیز کرے گا، اے قائدؒ!

نامید نہ ہو ان سے اے رہبر فرزانہ!
کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی

اقبالؒ نے بڑے جذب اور رقت سے دعا پڑھنی شروع کی

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

ساتھ ہی تمام روحیں بھی یہ دعا پڑھنے لگیں۔

پھر وادی فاراں کے ہر ذرے کو چمکا دے
پھر شوق تماشا دے پھر ذوق تقاضا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل

یہ شعر ادا کرتے ہوئے قائدؒ، اقبالؒ اور تمام روحوں نے بڑی امید بھری نگاہ سے نوجوانوں اور اس کے پیچھے مجمعے کو دیکھا۔ نعمان، نوجوان اور بڑے بوڑھے سب نے ہاتھ اٹھائے اور دعا میں شامل ہو گئے۔

معلوماتِ عامہ

- قرآن پاک میں حرف 'ز' 1570 مرتبہ آیا ہے۔
- قرآن پاک میں لفظ اسلام 6 مقامات پر آیا ہے۔
- نبیؐ کے عقیقہ میں حضرت عبدالمطلب نے ایک اونٹ ذبح کیا تھا۔
- نبیؐ کی شکل مبارک جلیل القدر نبی حضرت ابراہیمؑ سے ملتی جلتی تھی۔
- پیغمبر حضرت صالحؑ کے ساتھ اونٹنی کا معجزہ منسوب ہے۔
- روئے زمین پر سب سے پہلے معرض وجود میں آنے والی مسجد ''مسجد الحرام'' ہے۔
- دوزخ کے ساتویں طبقے کو ''ہاویہ'' کہا جاتا ہے۔
- قتیبہ بن مسلم کو ''فاتح ترکستان'' کہا جاتا ہے۔
- صحابی حضرت ذویبؓ بن حلحلہ کو ''صاحب بدن رسول اللہ'' کہا جاتا ہے۔ (رضوان احمد، لاہور)
- قبر میں انسانی جسم کے ناخن اور بال سب سے آخر میں ختم ہوتے ہیں۔
- انسان کے جسم کے حصے ٹانگ میں 31 ہڈیاں ہوتی ہیں۔
- مادہ جگنو میں عموماً زیادہ روشنی ہوتی ہے۔
- انسانی جسم میں دو گردے ہوتے ہیں۔ ایک گردے کا وزن آدھا پاؤ ہوتا ہے۔ (آمنہ جبیں، کراچی)
- تحریک پاکستان کا نعرہ ''پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الٰہ الا اللہ'' اصغر سودائی نے لکھا۔
- برصغیر کے سب سے پہلے چیف جسٹس بدرالدین طیب جی تھے۔
- شاہ عبداللطیف بھٹائی کو سندھ کا سرتاج شاعر کہا جاتا ہے۔
- بلوچی گیتوں میں ساربانوں اور چرواہوں کے گیت کو ''لیکو'' کہا جاتا ہے۔
- بلوچی زبان میں قرآن پاک کا پہلا ترجمہ حضور بخش جتوئی نے کیا۔ (سعادیہ، لاہور)
- پاکستانی پرچم کا سبز رنگ مسلم لیگ کے جھنڈے سے لیا گیا ہے۔
- محترمہ فاطمہ جناح نے ڈینٹل سرجری کی ڈگری کلکتہ سے حاصل کی۔
- مشہور پاکستانی خطاط صادقین کا اصل نام احمد نقوی تھا۔
- شنگریلا آف پاکستان ''ہنزہ گلگت'' کو کہا جاتا ہے۔
- پاکستان کے عمران خان کو ''سڈنی کا ہیرو'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔
- لاہور کی بادشاہی مسجد مکہ مکرمہ کی مسجد ''الوحید'' کے نمونے پر بنائی گئی ہے۔
- شاہی قلعہ لاہور کی 4 منزلیں ہیں۔ (شہنیلا، لاہور)
- دنیا کا سب سے ٹھنڈا ریگستان صحرائے گوبی ہے۔
- ''رحم دل ماں'' روس کے دریائے وولگا کو کہا جاتا ہے۔
- دو مغل بادشاہ شاہ جہاں اور بہادر شاہ ظفر اپنی وفات کے وقت ہندوستان میں نہیں تھے۔
- صرف ایک صحابیؓ کا نام زید بن حارثؓ کا تذکرہ قرآن پاک میں ان کے نام کے ساتھ آیا ہے۔ سورۃ احزاب آیت:37۔
- مغل بادشاہ جہانگیر کی قبر پاکستان میں ہے۔
- حضرت محمدؐ کا اسم مبارک احمد قرآن پاک میں صرف ایک جگہ آیا ہے۔ سورۃ صف آیت:6
- دنیا کی مشکل ترین زبان چینی ہے۔
- امریکہ کی بلند ترین عمارت سیرز ٹاور کا ڈیزائن ایک پاکستانی آرکیٹیکچر نے تیار کیا۔ (نورین اسلام، راولپنڈی)
- پاکستان کا بلند ترین پہاڑ کے ٹو ہے جو سطح سمندر سے 8611 میٹر بلند ہے۔
- سات پہاڑوں کا شہر روم کو کہا جاتا ہے۔
- گلابوں کا شہر شیراز کو کہا جاتا ہے۔
- سب سے زیادہ تانبا چلی میں پایا جاتا ہے۔
- سب سے زیادہ کوئلہ چین میں پایا جاتا ہے۔
- ٹھگوں کا شہر بنارس کو کہا جاتا ہے۔
- پاکستان کے شہر سرگودھا کو عقابوں کا شہر کہتے ہیں۔
- کویت کی کرنسی کا نام کویتی درہم ہے۔
- عراق کی کرنسی کا نام دینار ہے۔ (بینش ارشاد، اسلام آباد)

میری زندگی کے مقاصد

لائقہ فہیم، اسلام آباد
میں بڑی ہو کر عالمہ بنوں گی اور دین کی روشنی پھیلاؤں گی۔

محمد عثمان منیر، شیخوپورہ
میں ڈاکٹر بن کر ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔

منابل بابر، لاہور
میں ریاضی کی پروفیسر بنوں گی۔

احسن عثمان، ایبٹ آباد
میں انجینئر بنوں گا۔

احور کامران رانا، لاہور
میں بڑی ہو کر ڈاکٹر بنوں گی اور غریبوں کا مفت علاج کروں گی۔

ذکریا بن سعد، راول پنڈی
میں کرکٹر بنوں گا۔

محمد ارسلان طاہری، لاہور کینٹ
میں فوجی بن کر ملک کی حفاظت کروں گا۔

سمیر خان، لاہور
میں بڑا ہو کر سائنس دان بنوں گا۔

وجیہہ نقوی، اسلام آباد
میں ڈاکٹر بنوں گی اور غریبوں کا مفت علاج کروں گی۔

عروج عامر، اسلام آباد
میں ڈاکٹر بن کر بیماروں کا مفت علاج کروں گی۔

نور العین اختر، راول پنڈی
میں ڈاکٹر بن کر پاکستان کی خدمت کروں گی۔

موسیٰ خاں، نوشہرہ
میں بڑا ہو کر پائلٹ بنوں گا۔

ماہین شاہد، گجرات
میں ڈاکٹر بن کر غریبوں کا مفت علاج کروں گی۔

محمد حمزہ، لاہور
میں فوجی بن کر ملک کی سرحدوں کی حفاظت کروں گا۔

عافیہ طاہرہ، راول پنڈی
میں مصورہ بن کر ملک کا نام روشن کروں گی۔

عمر سعد، لاہور
میں پاک فضائیہ میں شامل ہو کر ملک کی حفاظت کروں گا۔

احمد کمال، لاہور
میں سائنس دان بن کر کارآمد ایجادات کروں گا۔

محمد شہزاد ستار، بورے والا
میں انجینئر بن کر ملک کا نام روشن کروں گا۔

فضا سعد، لاہور
میں ڈاکٹر بن کر غریبوں کا مفت علاج کروں گی۔

شہرین صادق، گوجرانوالہ
میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے والدین کا نام روشن کروں گی۔

جنت جاوید، لاہور
میں ڈاکٹر بن کر انسانیت کی خدمت کروں گی۔

محمد طارق زمان، ڈی آئی جی خان
میں بڑا ہو کر پائلٹ بنوں گا۔

بسمہ افضال، لاہور
میں ٹیچر بن کر غریب بچوں کو مفت تعلیم دوں گی۔

محمد عرفان معراج، شیخوپورہ
میں فوجی بن کر ملک کی حفاظت کروں گا۔

محمد کاشف، اوتھل
میں انجینئر بن کر اپنے پاک وطن کو ترقی کی راہ پر گامزن کروں گا۔

کوتاہی

اندلس کے بادشاہ عبدالرحمٰن ثانی سے ایک روزہ قضا ہو گیا۔ نیک نفس بادشاہ نے اپنی کوتاہی کو چیف جسٹس امام یحیٰ کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے فتویٰ دیا۔ "بادشاہ اس قصور اور کوتاہی پر سات روزے رکھے۔" علماء بورڈ کے ایک رکن نے امام صاحب کو کہا۔ "شریعت کی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم بھی ہے۔ آپ نے بادشاہ کو یہ اجازت کیوں نہیں دی۔" امام یحیٰ نے بڑے غصے سے اسے دیکھا اور کہا۔

"بادشاہ کے لیے ساٹھ آدمیوں کو کھانا کھلانا کوئی سزا نہیں۔"

(ایم۔اے گیلانی، گجرات)

انسان

شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "کسی محفل میں لوگ ایک بزرگ کی بے پناہ تعریف کر رہے تھے، ان کی خوبیوں اور اوصاف کو بیان کیا جا رہا تھا۔ یہی نہیں بلکہ ان کی تعریف میں مبالغہ سے بھی کام لیا جا رہا تھا۔ وہ بزرگ بھی اسی محفل میں موجود تھے اور یہ سب سن رہے تھے۔ انہوں نے اپنی تعریف اور خوبیاں سننے کے بعد تھوڑی دیر خاموشی اختیار کی اور پھر فرمایا۔ "میں جو ہوں، میں خوب جانتا ہوں۔" اس حکایت کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والوں کو اپنی تعریف سن کر کبھی غرور اور فخر میں نہیں آنا چاہیے بلکہ انہیں اپنی برائیوں اور عیبوں پر ہی نظر رکھنی چاہیے۔

(خلیق حسین، اسلام آباد)

ذلت

ایک دفعہ ایک آدمی ایک مشہور فلسفی بابائے سائنس ارسطو کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"اب مجھ میں علم کی مشقت برداشت کرنے کی طاقت نہیں رہی۔" ارسطو نے کہا۔ "تو پھر ساری زندگی جہالت کی ذلت برداشت کرتے رہو۔"

(محمد ابوہریرہ، گوجرانوالہ)

دو نقص

امیر المومنین مہدی نے ایک محل تعمیر کروایا۔ خلیفہ نے فرمایا: "کسی شخص کو اس محل کے نظارے سے منع نہ کیا جائے۔ ناظرین یا تو دوست ہوں گے یا دشمن۔ اگر دوست ہیں تو خوش و خرم ہوں گے اور ہمیں دوستوں کی خوش دلی مطلوب ہے اور اگر دشمن ہیں، تو رنج اٹھائیں گے اور دل گرفتہ ہوں گے اور ہر شخص کی یہی مراد ہوتی ہے کہ دشمن کو رنج پہنچے۔ نیز شاید وہ کوئی عیب ڈھونڈیں اور کوئی خلل کی بات بتائیں اور اس سے وقوف پانے پر اس خلل کا تدارک کیا جا سکے اور نقص کو دور کر دیا جائے۔" ایک فقیر نے کہا: "اس محل میں دو نقص ہیں۔ ایک یہ کہ آپ اس میں ہمیشہ نہ رہیں گے۔ دوسرا یہ کہ یہ محل ہمیشہ نہ رہے گا۔" خلیفہ اس کلام سے اس قدر متاثر ہوا کہ وہ محل غرباء اور فقراء کے لیے وقف کر دیا۔

(قمر ناز دہلوی، کراچی)

محل یا سرائے

حضرت ابراہیم ادھمؒ دین و دنیا کے بادشاہ تھے۔ حضرت نے دنیا کی بادشاہت ترک کر کے درویشی اختیار کر لی تھی، ایک مرتبہ زمانہ شاہی میں ایک شخص حضرت ابراہیم ادھمؒ کے محل میں آیا اور کہا۔ "میں اس سرائے میں رات بسر کرنا چاہتا ہوں۔" حضرتؒ نے اسے فرمایا۔ "بے وقوف یہ سرائے نہیں میرا محل ہے۔" وہ بولا۔ "لیکن آپؒ سے پہلے اس میں کون رہتے تھے اور پھر ان سے پہلے؟" انہوں نے کہا۔ "مجھ سے پہلے اس محل میں میرا باپ اور ان سے پہلے میرا دادا رہتے تھے۔" وہ شخص مسکرا کر بولا۔ "بادشاہ آپؒ ہی کہیے یہ مکان ہوا یا سرائے، یہاں ایک آتا ہے اور دوسرا جاتا ہے۔" حضرتؒ یہ سن کر بہت متاثر ہوئے اور دنیا سے دل اچاٹ ہو گیا۔

(رعنا شیخ، میاں والی)

دودھ کا پیالہ

حضرت شمس الدین ترکؒ، شیخ بوعلی قلندرؒ پانی پتی کے ہم عصر تھے۔ وہ اپنے مرشد مخدوم علاؤ الدین صابر کلیریؒ کے حکم سے پانی پت تشریف لے گئے اور دودھ کا بھرا ہوا ایک پیالہ شیخ بوعلی قلندرؒ کی خدمت میں بھیجا۔ وہ اس کو دیکھ کر متبسم ہوئے اور گلاب کے پھولوں کی کچھ پنکھڑیاں دودھ میں ڈال کر اسے حضرت شمس الدین ترکؒ کو واپس بھیج دیا۔ حضرت ترکؒ پیالے میں گلاب کی پنکھڑیاں دیکھ کر مسکرانے لگے۔ حاضرین مجلس نے عرض کی کہ ہمیں بھی اس معاملہ کی حقیقت سمجھایئے۔ انہوں نے فرمایا: ''شیخ بوعلی قلندرؒ کے پاس دودھ سے لبریز پیالہ بھیجنے سے مراد یہ تھی کہ اس علاقہ میں تبلیغ و ہدایت کی ذمہ داری خواجہ علاؤ الدین صابرؒ نے تنہا میرے کندھوں پر ڈالی ہے، اس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں۔ شیخ بوعلی قلندرؒ نے دودھ میں پنکھڑیاں ڈال کر پیالہ جو واپس بھیج دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ میرے فرائض میں دخل نہیں دیں گے اور یہاں اسی طرح رہیں گے جس طرح دودھ سے لبریز پیالہ میں گلاب کی پنکھڑیاں ہیں۔'' شیخ بوعلی قلندرؒ سے پوچھا گیا تو انہوں نے اس معاملہ کی یہی توجیہہ کی۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں میں آخر وقت تک بے حد خوش گوار مراسم رہے۔ (عاصمہ چوہدری، لاہور)

انمول موتی

☆ جو بندہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ اقالہ کا معاملہ کرے (یعنی اس کی خریدی ہوئی چیز کی واپسی پر راضی ہو جائے) تو اللہ تعالیٰ اس کی غلطیاں یعنی گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔

☆ بھوکے مسلمان کو کھانا کھلانا بھی مغفرت والے اعمال میں سے ہے۔

☆ جب کبھی بھی کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کے لیے جائے اور میزبان مہمان کا اکرام کرنے کی غرض سے مہمان کو تکیہ پیش کرے تو اللہ تعالیٰ میزبان کی مغفرت فرما دیں گے۔

☆ جس شخص نے شام اس حالت میں کی کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی وجہ سے تھکا ہوا تھا تو اس نے شام اسی حالت میں کی کہ اس کی مغفرت ہو چکی۔

☆ جو شخص صف کے کسی خلا کو پُر کرے اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

☆ جو نابینا آدمی کو لے کر چلا حتیٰ کہ اس کے گھر تک پہنچا دیا تو اس کے چالیس کبیرہ گناہوں کی مغفرت کر دی جائے گی اور چار کبیرہ گناہ بھی دوزخ کو واجب کر دیتے ہیں۔

☆ خوش خلقی گناہوں کو ایسے پگھلا دیتی ہے جیسے سورج برف کو پگھلا دیتا ہے۔

☆ جو شخص مومن مرد اور مومن عورتوں کے لیے مغفرت طلب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر مومن مرد اور عورت کے عوض ایک نیکی لکھ دیتے ہیں۔ (محمد محسن، لاہور)

سب کو مارا

ایک باغ میں تین آدمی گھس کر پھل توڑ کر کھانے لگے۔ باغبان کو پتا چلا تو وہ آیا۔ اس نے ان تینوں کو غور سے دیکھا تو ایک حاکم شہر کا لڑکا تھا، ایک قاضی شہر کا اور تیسرا ایک کاریگر مستری کا لڑکا تھا۔ باغبان نے سوچا کہ میں اکیلا ہوں اور یہ تین ہیں ان سے مقابلہ کسی حکمت سے چاہیے۔ چنانچہ پہلے تو مستری کے لڑکے سے کہا۔ ''مرحبا! میرے نصیب جاگ اٹھے جو آپ میرے باغ میں تشریف لائے۔ جایئے اس کمرہ سے کرسی لے آیئے اور آرام سے بیٹھ کر پھل کھایئے۔'' مستری کا لڑکا کرسی لینے گیا تو باغبان نے ان دونوں سے کہا۔ ''جناب! آپ دونوں کا تو حق ہے کہ میرے باغ کا پھل کھائیں ایک حاکم دوسرا قاضی مگر یہ دنیا دار مستری! یہ کون ہوتا ہے جو آپ سے برابری کرے۔ آپ شوق سے مہینہ بھر یہیں رہیے مگر اس کی تو میں مرمت کر کے رہوں گا۔'' اس طرح ان دونوں کی تعریف کر کے مستری کے لڑکے کے پیچھے گیا اور کمرے میں جا کر اسے خوب مارا اور بے ہوش کر دیا۔ پھر باغ میں آیا اور قاضی کے بیٹے سے کہنے لگا۔ ''بے وقوف یہ تو بھلا حاکم شہر کا دل بند ہے ہمارا سب کچھ انہی کا ہے مگر تو کون؟ جو ان سے برابری کا دم بھرے۔'' پھر اسے مارا اور گرا لیا۔ اب حاکم صاحب زادے اکیلے رہ گئے، پھر وہ ان کی طرف ہوا اور بولا۔ ''کیوں جناب! جب آپ ہی یوں ڈاکے مارنے لگے تو پھر ہمارا اللہ ہی حافظ ہے۔'' یہ کہہ کر اسے بھی خوب مارا اور اس طرح ایک ایک کر کے سب سے اپنا انتقام لے لیا۔ (عظمت ناز، لاہور)

ڈاکٹر طارق ریاض خان

سپائیڈر مین

سپائیڈر مین (Spider Man) ایک ایسا افسانوی کردار ہے جس پر اب تک ہزاروں کہانیاں، کتابیں، فلمیں اور کارٹونز وغیرہ لکھے جا چکے ہیں۔ یہ بچوں کا پسندیدہ کردار سب سے پہلے اگست 1962ء میں کہانی ''Amazing Fantasy'' میں متعارف

کروایا گیا۔ اس کتاب کا پبلشر (ناشر) ''Marver Comics'' جب کہ مصنف ''Stan Lee'' اور ''Steve Ditko'' تھے۔ اس سلسلے کی پہلی کہانی میں بتایا گیا ہے کہ ایک لڑکا ''Peter Parker'' یتیم بچہ تھا، جو اپنی آنٹی ''May'' اور ''Ben'' کے ساتھ رہتا تھا۔ ایک دن اسے ایک تاب کار مکڑی (Radioactive Spider) نے کاٹ لیا۔ اس طرح اس لڑکے میں ایک عجیب سی طاقت پیدا ہوگئی۔ وہ اب مکڑی کی طرح جالا بُن سکتا تھا۔ پل بھر میں بڑی بڑی عمارتوں پر چڑھ سکتا تھا۔

کہانی میں ایک جگہ ''Burglar'' نامی شخص سپائیڈر مین کے انکل کو قتل کر دیتا ہے، جس پر وہ منفی انسانوں کے خلاف ہیرو بن کر ٹوٹ پڑتا ہے۔ بچوں اور بڑوں میں سپائیڈر مین اتنا مقبول ہوا کہ جاپان، فرانس، برطانیہ اور بھارت میں اس کردار پر فلمیں تخلیق کی گئی ہیں۔ اب تک اس کہانی کے 700 سے زیادہ قصے شائع ہو چکے ہیں۔ دنیا بھر سے اس کردار نے ایوارڈز بھی جیتے ہیں۔

شترمرغ

دنیا کا سب سے بڑا پرندہ شترمرغ (Ostrich) ہے جس کا تعلق کلاس ''Aves'' سے ہے۔ اس کا سائنسی نام ''StruthioCamelus'' ہے۔ یہ پرندہ اُڑ نہیں سکتا۔ یہ افریقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اپنی لمبی لمبی ٹانگوں کی مدد سے 70 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ سکتا ہے۔ ایک بالغ نر پرندے کا وزن 63 سے 145 کلوگرام جب کہ کبھی کبھار یہ 158.8 کلوگرام بھی ہوتا ہے۔ مادہ کا وزن 63 سے 100 کلوگرام ہوتا ہے۔ نر شترمرغ 6 فٹ 11 انچ سے 9 فٹ 2 انچ جب کہ مادہ شترمرغ 5 فٹ 7 انچ

سے 6 فٹ تک اونچا ہوتا ہے۔ ان کے چوزے ''Fawn'' کہلاتے ہیں جن پر گہرے براؤن دھبے ہوتے ہیں۔ نر کے پَر سیاہ جن پر سفید دھبے جب کہ مادہ کے پَر سرمئی براؤن یا سفید ہوتے ہیں۔ گردن پر پَر نہیں ہوتے۔ مادہ کی جلد (Skin) گلابی جب کہ نر کی جلد سرمئی، نیلی مائل یا گلابی ہوتی ہے۔ زمین پر رہنے والے جانوروں میں ان کی آنکھیں سب سے بڑی ہوتی ہیں، جو 50 ملی میٹر قطر یا ڈایا میٹر کی ہوتی ہیں۔ ان کی دُم پر 50 سے 60 پَر

ہوتے ہیں۔ یہ پھل، پھول، بیج وغیرہ کھاتے ہیں۔ ان کا انڈہ دنیا کا سب سے بڑا سیل (Cell) ہوتا ہے جو 15 سینٹی میٹر لمبا، 13 سینٹی میٹر چوڑا اور 1.4 کلوگرام وزنی ہوتا ہے۔ ان کی اوسط عمر 62 برس اور 7 ماہ ہے۔ مصر سے ملنے والے آثار سے معلوم ہوا ہے کہ قدیم لوگ اس کی سواری کرتے تھے۔ دنیا کے کئی ممالک میں شترمرغ مختلف کمپنیوں کا ٹریڈ مارک بھی ہے۔

شو پالش

شاید دنیا میں کوئی ایسا خطہ ہو جہاں کے لوگ بوٹ پالش (Boot Polish) یا شو پالش (Shoe Polish) نہ کرتے ہوں۔ بوٹ پالش دراصل ایک مومی پیسٹ (Waxy Paste)

ہے جو جوتے کی عمر بڑھاتا ہے۔ چمڑے کو صاف، چمک دار اور نمی سے محفوظ رکھتا ہے۔ پہلے لوگ "Dubbin" (ڈبن) استعمال کرتے تھے۔ یہ Wax، آئل، سوڈا ایش اور چکنائی کا بنا ہوتا تھا اور جوتے کی حفاظت کرتا تھا۔ چمڑے کو چمکاتا نہیں تھا۔ بعد ازاں اس میں "Lanolin" بھی ڈال دیا گیا جو جرمن زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے "Wool Wax"۔ یہ کیمیائی مرکب بھیڑ وغیرہ کی جلد میں موجود غدود خارج کرتے ہیں۔ 1906ء سے پہلے پالش بازار میں دستیاب نہ تھی۔ آسٹریلیا کے "WilliamRamsay" نے 1904ء میں پالش بنانے کی چھوٹی سی فیکٹری بنائی۔ اس نے پالش کا نام کیوی (Kiwi) رکھا جو اس کی بیوی عینی الزبتھ (Annie Elizabeth) کے دیس نیوزی لینڈ کا پرندہ ہے۔ 1906ء کے بعد شو پالش بازار میں فروخت ہونے لگی۔ پالش ٹن کی ڈبی میں پیک کی جاتی ہے۔ اس میں ایک کیمیائی مرکب "Naphtha" ڈالا جاتا ہے جس کے اُڑنے سے پالش خشک ہو کر ٹوٹ جاتی ہے۔

فائر بریگیڈ

دنیا بھر میں آگ کا حادثہ ہونے پر آگ بجھانے کے لیے فائر بریگیڈ یا فائر ڈپارٹمنٹ بنایا گیا ہے جو تمام بڑے شہروں میں ہوتا ہے۔ آج اسے ریسکیو سروس بھی کہا جاتا ہے۔ قدیم روم کے حکمران "E. Rufus" نے پہلی مرتبہ اپنے غلاموں پر مشتمل

فائر بریگیڈ کا عملہ تعینات کیا۔ اس کے بعد بادشاہ "Augustus" نے روم میں عوام کے لیے یہ شعبہ قائم کیا جو 24 قبل مسیح کی بات ہے۔ اس میں 600 غلاموں پر مشتمل سکواڈ بنایا گیا تھا۔ اس شعبہ میں 7 فائر اسٹیشن قائم کیے گئے تھے۔ 1666ء میں جب لندن میں بہت بڑی آگ لگی تو فائر بریگیڈ کا شعبہ قائم کیا گیا۔ 1906ء سے فائر بریگیڈ کی آگ بجھانے والی گاڑیاں متعارف ہوئیں جنھیں ابتدائی طور پر "Massachusctts" امریکہ کی ریاست میں شروع کیا گیا۔ پاکستان میں اب یہ شعبہ ریسکیو 1122 کے ساتھ مل کر کام کر رہا ہے۔

☆☆☆☆

بوجھو تو جانیں

راجہ رانی کہو کہانی
ایک گھڑے میں دو رنگ پانی

☆

بلی سفید اک میں نے دیکھی بیٹھی تھی وہ گم سم
جسم تھا اس کا سارا ہی گورا ہری تھی اس کی دم

☆

وہ ہے ایک پانی کا ننھا قطرہ
مگر اس کو کہتا نہیں کوئی پانی
سویرے سویرے وہ ہوتا ہے پیدا
صبح ہی کو آتا ہے اس پر بڑھاپا

☆

پانی تجھے پلایا تو پیتے ہی مر گئی
زندہ رہی تو کام مرے کتنے کر گئی

☆

کالا ہے پر کوا نہیں
درخت پر چڑھتا ہے بندر نہیں
موٹا سر ہے ہاتھی نہیں
پتلی کمر ہے چیتا نہیں

☆

کوئی نہ چھین سکے اک شے
جس کی ہے بس اس کی ہے

☆

نہ مٹی نہ ریت
ایسا ہے ایک کھیت

☆

در پر دیوار پر ہر جا کھڑی ہے
اس کا نام پوشیدہ کلی ہے

☆

سر کاٹو تو امن رہے دھڑ کاٹیں تو پیالہ
میرے ماموں یوں کہیں رنگ ہے اس کا کالا

☆

جوابات: 1۔ انڈہ 2۔ مولی 3۔ شبنم 4۔ آگ 5۔ چیونٹا 6۔ قسمت 7۔ سر 8۔ چھپکلی 9۔ جامن

ننھے کی مانو چھپی ہوئی ہے اور ننھے میاں تلاش کر رہے ہیں،
لیکن کوئی ننھے میاں کو مانو کا پتا بتلا سکتے ہیں؟

داؤدی علمی آزمائش

درج ذیل دیے گئے جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ قائداعظم کتنا عرصہ تک پاکستان کے گورنر جنرل رہے؟

i۔ تقریباً 1 سال ii۔ چار سال iii۔ دو سال

2۔ حیدر آباد کا پرانا نام کیا ہے؟

i۔ دیبل ii۔ ہرن کوٹ iii۔ سکر

3۔ مینار پاکستان پر علامہ اقبال کی کون سی نظم کندہ ہے؟

i۔ جاوید نامہ ii۔ اسرارِ خودی iii۔ یارب دل مسلم کو

4۔ پاکستان کے قومی ترانے کی دھن کس موسیقار نے ترتیب دی ہے؟

i۔ خلیل احمد ii۔ عبدالکریم چھاگلہ iii۔ نثار بزمی

5۔ مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان طے پایا جانے والا معاہدہ کیا کہلاتا ہے؟

i۔ شملہ معاہدہ ii۔ میثاق لکھنؤ iii۔ پونا پیکٹ

6۔ قائداعظم مسلم لیگ کی قیادت کے لیے لندن سے کب واپس آئے؟

i۔ 1935ء ii۔ 1934ء iii۔ 1936ء

7۔ قائداعظم کب نئی مملکت میں تشریف لائے؟

i۔ 25/جولائی 1947ء ii۔ 7/اگست 1947ء iii۔ 14/اگست 1947ء

8۔ مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لیے کون سی تحریک شروع کی گئی؟

i۔ بندے ماترم ii۔ شدھی تحریک iii۔ رام راج تحریک

9۔ علامہ اقبال نے ایک الگ مسلم مملکت کے قیام کا تصور کب پیش کیا؟

i۔ دسمبر 1931ء ii۔ دسمبر 1930ء iii۔ دسمبر 1935ء

10۔ ''مسلمان جو پاکستان کا خواب دیکھتے ہیں وہ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔'' یہ الفاظ کس کے تھے؟

i۔ نہرو ii۔ ولبھ بھائی پٹیل iii۔ گاندھی

جوابات علمی آزمائش فروری 2013ء

1۔ 87 سورتیں 2۔ حضرت سودہؓ 3۔ مسجد نبویؐ 4۔ عصا و ید بیضا 5۔ ذی الحج 6۔ ملتان 7۔ گوادر 8۔ مصر 9۔ کا10۔ محمد بن قاسم

اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے 3 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیے جا رہے ہیں۔

☆ سیف اللہ، قصور (150 روپے کی کتب)

☆ محمد سلمان شاہد، کراچی (100 روپے کی کتب)

☆ صدف بھٹی، بہاول پور (90 روپے کی کتب)

''دماغ لڑاؤ'' سلسلے میں حصہ لینے والے کچھ بچوں کے نام بہ ذریعہ قرعہ اندازی: اقصیٰ جبین، واہ کینٹ۔ محمد ابوہریرہ، گوجرانوالہ۔ فاطمہ عامر، لاہور۔ قمر ناز دہلوی، کراچی۔ سعد سہیل، جہلم۔ محمد نعیم امین، لاہور۔ ثمرن عظیم، اسلام آباد۔ محمد بلال محمد رفیق، کراچی۔ کنزا نوید الرحمٰن، لاہور۔ ولید اشرف، گوجرہ۔ روجین زمان، کرک۔ اسد علی انصاری، ملتان۔ حسام اللہ علوی، فیصل آباد۔ محمد فریاد علی قادری، کامونکی۔ مریم ہاشمی، لاہور۔ محمد حذیفہ انوار، جھنگ۔ محمد واسع دانیال، راول پنڈی۔ بلال احمد، اٹک۔ شہزاد حیدر شیخ، لاہور۔ حسیب الرحمٰن غنی، ڈی آئی خان۔ محمد منصور، فیصل آباد۔ عثمان علی قمر، لاہور۔ شہزادی خدیجہ، لاہور۔ حافظ محمد بلال، خوشاب۔ حافظ محمد الیاس، خوشاب۔ عتیقہ ارشد، گوجرانوالہ۔ حارث ہلال، چارسدہ۔ آمنہ، راول پنڈی۔ محمد اسامہ منصور، اسلام آباد۔ زین غازی، راول پنڈی۔ فائقہ نوید ملک، لاہور۔ معظمہ عرفان، لاہور۔ مآب زینت، جہلم۔ عمر امتیاز، لالہ موسیٰ۔ عبداللہ ارشد، گوجرانوالہ۔ محمد حارث کبیر خان، اسلام آباد۔ حافظ حامد ضیاء، لاہور۔ محمد سمیع اللہ صادق، گوجرانوالہ۔ محمد طلال بن وحید، واہ کینٹ۔ حافظہ اقراء الیاس، لاہور۔ کلثوم طارق، راول پنڈی۔ عیشہ حیاء، لاہور۔ محمد محسن علی قادری، حسن رضا سردار، محمد غلام حسن قادری، محمد حامد رضا قادری، کامونکی۔ محمد آصف جمال، لاہور۔ اُرویٰ معطر بیگ، گجرات۔ غیور مستنصر حسین ہاشمی، فیصل آباد۔ الوینہ گل، توغ بالا۔ محمد زبیر مقصود، لاہور۔ تیمور علی اعوان، گوجرانوالہ۔ راجہ محمد عمیر، راول پنڈی۔ طاہرہ رومانہ اعوان، خوشاب۔

اُف یہ موٹاپا

کوکب کاظمی

ہمیں بچپن ہی سے مزے دار کھانے کھانے کا شوق ہے اور جوں جوں ہم بڑے ہوتے جا رہے ہیں، ہمارے شوق اور وزن میں بھی مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ بہن بھائی ہمیں موٹو کہتے ہیں اور سہیلیاں آٹے کی بوری فٹ بال وغیرہ۔

جب ہم بہت چھوٹے سے تھے، تو ہم بالائی چوری کر کے کھایا کرتے تھے۔ رات کو ہماری امی دودھ گرم کر کے جالی لگی الماری میں رکھ دیا کرتی تھیں اور ہم سردی گرمی کی پروا کیے بغیر منہ اندھیرے اٹھتے اور باورچی خانے میں جا کر خوب مزے سے چمچ بھر بھر کے بالائی کھا جاتے۔ اُف! کتنی مزے دار ہوتی تھی وہ ٹھنڈی میٹھی بالائی!

جب دیگچی میں ایک قطرہ بھی بالائی کا نہ رہتا تو ہم چمچ دھو، منہ صاف کر کے دوبارہ بستر میں آ کر دبک جاتے۔ ہمارے اس کارنامے کی وجہ سے بے چارے گوالے کی شامت آ جاتی۔ اُسے روز امی سے خالص دودھ نہ لانے پر خوب ڈانٹ پڑتی۔ وہ بے چارہ روہانسی آواز میں کہتا۔ ”آپ مجھ سے جو چاہے قسم لے لیں، لیکن مجھے بے ایمان نہ سمجھیں۔“

اگر گوالے کی بجائے بلی پر الزام لگایا جاتا، تو بھی غلط تھا، آخر بلی کب سے اتنی نیک اور مہذب ہوگئی کہ زمین پر ایک قطرہ نہ گرائے اور کھائے بھی تو صرف بالائی اور دودھ گھر والوں کے استعمال کے لیے چھوڑ جائے۔

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ چوری کبھی نہیں چھپتی اور کبھی نہ کبھی بے چارے چور کی شامت آ ہی جاتی ہے۔ سو ایک روز جب ہم نے پروگرام کے مطابق باورچی خانے میں قدم رکھا، جالی میں سے دودھ کی دیگچی اور چمچ نکالا، ابھی چمچ منہ تک لے کر ہی گئے تھے کہ سامنے کھڑی امی جان پر نظر پڑ گئی۔ بس جناب چمچ بالائی سمیت غڑاپ سے دیگچی میں اور جی چاہا کہ اپنا منہ بھی دیگچی میں چھپا لیں، آخر شرمندگی بھی تو کوئی چیز ہے نا!

ویسے بات صرف بالائی کھانے تک ہی نہیں، ہمیں الم غلم کھانے کا شوق ہے۔ مثلاً بچپن میں جب امی کوئی چیز منگوانے کے لیے ہمیں بازار بھیجتیں، تو خوش قسمتی سے اگر کچھ پیسے بچ جاتے تو وہ

آہستہ آہستہ شدید ہوتا گیا۔ دوپہر تک ہماری حالت خراب ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر نے دوائی دی، تو پرہیز کے طور پر پورے ایک دن کا کھانا بند کر دیا۔ مزید ستم یہ کہ آئندہ کے لیے مکمل پرہیز یعنی کم کھایا جائے اور ہلکی پھلکی غذا کھائی جائے ورنہ......

''اُف! کیا ہم مر جائیں گے۔''

اس ورنہ کے آگے ہم کچھ سوچ نہ سکے۔''نہیں نہیں ابھی نہیں، ابھی تو ہم نے کھایا ہی کیا ہے!''

گولیاں، ٹافیاں یا بسکٹ قسم کی چیزوں کی نذر ہو جاتے۔ کبھی کبھی امی حساب لینا بھول جاتیں، تو وہ دن ہماری خوش قسمتی کا دن ہوتا تھا۔

ناشتے میں دو بڑے بڑے پراٹھے کھانے کے بعد بھی ہماری نظریں چنگیر اور توے کا طواف کرتی رہتی ہیں کہ امی شاید بھولے سے ایک پراٹھا اور انڈا اور عنایت کر دیں۔ ہماری بد قسمتی کہ ایسا موقع کبھی نہیں آیا۔ اگر فرض کریں امی بھول جائیں، تو بہن بھائی انہیں یاد دلا دیتے ہیں کہ موٹو دو پراٹھے کھا چکی ہے۔ لہٰذا ہمیں فوری طور پر اٹھنے کا حکم دیا جاتا ہے اور ہم اٹھتے اٹھتے بھی کسی کے پراٹھے سے ایک آدھ لقمہ توڑ لیتے ہیں۔ یہ دراصل انتقامی کارروائی ہوتی ہے، جو شکایت لگانے کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوتی ہے۔

کھانے میں اگر کوئی چیز ہمیں بہت زیادہ مرغوب ہے تو وہ دال چاول ہیں۔ محلے میں کہیں بھی چاول پک رہے ہوں، ہماری ناک میں جونہی خوشبو پہنچتی ہے، ہم خود کو زبردستی اُس کا گھر مہمان سمجھ کر وہاں پہنچ جاتے۔ ہماری اسی محبت سے تنگ آ کر لوگوں نے دال چاول پکانے چھوڑ دیے ہیں۔

ایک روز غضب ہوا۔ کسی کی نظر بد ہمارے بھاری تن و توش کو لگ گئی۔ ناشتے کے بعد اچانک ہمارے پیٹ میں درد شروع ہوا جو

''ڈاکٹر صاحب! یہ پرہیز کب تک جاری رہے گا۔'' ہم نے بھوک سے روتے ہوئے کہا۔

''کون سا پرہیز؟'' ڈاکٹر صاحب نے حیرانی سے پوچھا۔

''سر! یہی ہلکی پھلکی غذا۔'' ہم نے انہیں یاد دلایا۔

''اوہو ہو ہو......'' ڈاکٹر صاحب زور سے ہنسے۔''یہ پرہیز تمہیں ساری عمر کرنا پڑے گا لڑکی، ورنہ وہ دن دور نہیں جب تمہارے وزن سے میزیں کرسیاں ٹوٹا کریں گی۔''

ہم غصے سے ''ہونہہ'' کہہ کر پاؤں پٹختے ہوئے باہر نکل آئے۔''انسان کی فطرت یہی ہے کہ وہ کسی کو اچھا کھاتا دیکھ ہی نہیں سکتا۔''

اس دن تو ہمیں سچ مچ فاقہ کروانے کا سوچا جا رہا تھا اور ساتھ ہی دال چاول پکا کر رہی سہی کسر پوری ہو رہی تھی۔ ہم مریض بنے بستر پر لیٹے تصور میں دال چاول کی لبالب بھری پلیٹیں دیکھ رہے تھے۔ اُس روز بہنوں بھائیوں کو موقع ملا تھا ہمیں چڑانے کا، وہ مزے سے بیٹھے کھا رہے تھے اور ہم اپنے حال پر ترس کھاتے ہوئے دال چاول اڑانے کی ترکیبیں سوچ رہے تھے۔ دوپہر کو جب سب سو گئے، تو ہم اُٹھے، باورچی خانے میں گئے، ایک بڑی پلیٹ بھر کے

کھائی اور اللہ کا شکر ادا کر کے اطمینان سے آ کر لیٹ گئے۔

سکول کا زمانہ تو جیسے تیسے گزر گیا، زیادہ مصیبت تو کالج میں آ کر ہوئی جب کچھ سہیلیوں نے ہماری صحت مندی سے جل سڑ کر ہمارے نام رکھنے شروع کر دیے اور کچھ ہمیں ڈائٹنگ اور ورزش کرنے کی نصیحتیں فرمانے لگیں، ٹیچرز نے بھی کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اکثر پوچھ لیتیں۔ ''بھئی، آپ کتنے من کھاتی ہیں۔''

بس پھر کچھ ہمیں بھی احساس ہونے لگا اور ہم دبلی پتلی لڑکیوں کو رشک سے دیکھ کر سوچتے، کاش ہم ایسے سمارٹ ہو جائیں اور اُچھلتے کودتے پھریں۔ کیوں کہ اگر موجودہ حالت میں کودتے پھرتے تو شاید لوگ سچ مچ ہمیں فٹ بال سمجھ لیتے۔ چنانچہ ایک روز کالج کی کنٹین میں پیسٹریوں اور دہی بھلوں پر ہاتھ صاف کرتے وقت ہم نے اعلان کر دیا کہ کل سے ہم ڈائٹنگ اور ورزش شروع کر رہے ہیں۔ ہماری سہیلیاں حیرت سے چیخ پڑیں۔ ''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟''

ہم نے انہیں یقین دلایا کہ ہم بالکل صحیح کہہ رہے ہیں اور چونکہ کل سے ہمارا آزمائشی اور تجرباتی دور شروع ہو رہا ہے اس لیے سوچا ہے کہ آج آخری بار جی بھر کے کنٹین کا صفایا کر دیا جائے۔ ڈائٹنگ اور ورزش کا فیصلہ کر کے ہمیں دل میں اطمینان نصیب ہوا اور ہم نے مزید پیسٹریوں اور چائے کا آرڈر دے دیا۔

گھر آنے کے بعد ہم نے گھر والوں کو بھی اپنے اس اہم ارادے سے خبردار کیا، تو وہ سب ہمیں رحم بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔ جب انہیں بھی پکا یقین ہو گیا تو لگے ہمارا مذاق اڑانے کہ بس ایک دو دن کی بات ہے، پھر کہاں ورزش اور کیسی ڈائٹنگ! ہم نے پروا نہ کی اور امی سے کہہ دیا کہ ہمیں علی الصبح اُٹھایا جائے تا کہ ہم ورزش کر سکیں۔

اگلی صبح امی کی آواز کان میں پڑی، ہم آنکھیں ملتے ملتے اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ پھر روشن دان سے باہر جھانکا، کافی اندھیرا تھا۔ ''ابھی تو بہت صبح ہے، پانچ منٹ اور سو لیں، پھر اُٹھیں گے۔'' ہم نے خود سے کہا اور پھر لیٹ گئے۔ چند منٹ بعد ہمیں پھر جگایا گیا۔ اب کے ہم جبراً قہراً اُٹھے، لڑکھڑاتے ہوئے صحن میں آئے اور پلنگ پر ڈھیر ہو گئے۔ پھر تو سورج کی کرنوں نے ہی ہمیں اٹھایا۔ جب اچھی طرح ہوش میں آئے تو امی سے کہا کہ آپ نے ہمیں اٹھایا کیوں نہیں تھا؟

امی نے کہا۔ ''کئی دفعہ تو اٹھایا تھا۔ پہلے ساڑھے چار بجے، پھر پانچ بجے، پھر چھ بجے اور......''

ہمیں بہت افسوس ہوا۔ اب ساڑھے سات بج چکے تھے۔ ہم جلدی جلدی تیار ہو کر باورچی خانے میں گئے۔ ہم نے سوچا تھا کہ صرف دو سلائس اور ایک کپ چائے پییں گے لیکن جونہی باورچی خانے میں پہنچے، ہمیں انڈوں اور پراٹھوں کی خوشبو نے بے قرار کر دیا۔ ہم نے بہن بھائیوں کی ہنسی اُڑاتی ہوئی نظروں کو نظر انداز کرتے ہوئے ڈائٹنگ پر لعنت بھیجی اور یہ سوچ کر انڈے اور پراٹھے کھانے میں مشغول ہو گئے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو ٹھکرانا کفر ہے۔

آپ کی صحت

☆ برگر، پیزا، چپس، آلو کے چپس اور کولڈ ڈرنک آپ کو غیر فعال اور کمزور بناتے ہیں۔ یہ ابتدائی بیماریوں اور جگر فیل ہونے کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔

☆ سردیوں میں گرم پانی سے اور گرمیوں میں ٹھنڈے پانی سے دو مرتبہ نہانے سے تھکاوٹ اترتی ہے اور آپ کا جسم جراثیم سے محفوظ رہتا ہے۔

☆ کھانا کھانے سے قبل اپنے ہاتھ دھو لیں کیوں کہ وہاں ہزاروں کی تعداد میں جراثیم ہوتے ہیں جو مختلف چیزوں کو پکڑنے سے لگتے ہیں۔

☆ صبح جلدی اٹھنا آپ کی صحت کے لیے بہت فائدہ مند ہے۔ جلدی اٹھیں صبح چھ بجے اور صاف ہوا میں سانس لیں۔ اس سے آپ کے پھیپھڑے مضبوط ہوں گے اور آپ کے سانس لینے کا نظام صحیح ہو گا۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

مارچ کا مہینہ کس زمانے کی یاد دلاتا ہے

مارچ کے مہینے کا نام رومیوں کے دیوتا مارس کے نام پر رکھا گیا ہے۔ مارس کو لڑائی کا دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ روم کے باشندے اس کی پوجا کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اس کی مدد سے جنگوں میں فتح حاصل ہوگی۔ یہ دیوتا لڑائی کے علاوہ کھیتی باڑی کا بھی محافظ سمجھا جاتا تھا اور جب روم کے کسان زمین کو کاشت کاری کے لیے تیار کر لیتے تھے تو وہ اس دیوتا کے سامنے سر جھکا کر اپنی فصل کی دعا مانگتے تھے۔

اس زمانے کے رومی باشندوں کے نزدیک زندگی کا مقصد یا تو جنگ کرنا تھا یا کھیتی باڑی کرنا۔ ان دونوں کاموں کی ابتدا وہ مارچ کے مہینے سے کرتے تھے۔ مارچ کا مہینہ، موسم کے اعتبار سے بہت خوش گوار ہوتا ہے۔ ان دنوں دل میں نئی نئی امنگیں پیدا ہوتی ہیں۔ فطرت بھی مسکراتے ہوئے جاگ اٹھتی ہے اور پودوں اور درختوں میں نئی نئی کونپلیں پھوٹتی ہیں۔ مارچ کو آج بھی کئی ملکوں میں بہار کا پیامبر کہا جاتا ہے۔

مارچ کے مہینے میں درجہ حرارت میں اضافہ شروع ہو جاتا ہے اور ٹھنڈی زمین گرم ہونے لگتی ہے۔ زمین کے اندر بلوں میں رہنے والے حشرات بھی اپنے بلوں سے باہر نکلتے ہیں۔ پرندے چہچہانے لگتے ہیں۔ اس لیے قبائلی زندگی میں اس ماہ کے فل مون کو حشرات الارض کے نام کر دیا گیا۔

دنیا کی سب سے مختصر جنگ

دنیا کی سب سے مختصر جنگ برطانیہ اور زنجبار (افریقہ) کے درمیان لڑی گئی تھی۔ 38 منٹ کی اس جنگ میں برطانیہ جیت گیا تھا۔

قائداعظم کی تنخواہ

قائداعظم کی تنخواہ بحیثیت گورنر جنرل ایک روپیہ تھی۔

کیلنڈر کا آغاز

قدیم رومن تہذیب میں مہینے کے پہلے دن کو کیلنڈر کہا جاتا تھا۔ یہیں سے لفظ کیلنڈر کا آغاز ہوا۔

قدیم عجائبات

دنیا کے 7 قدیم عجائبات میں سے دو سمندر کے کنارے ایستادہ تھے۔ وہ عجائبات ہیں ریوڈوز کا مجسمہ اور اسکندریہ کا روشنی کا مینار۔

مزار قائد

قائداعظم کے مزار کے احاطے میں 5 شخصیات مدفون ہیں، لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر، محترمہ فاطمہ جناح، مہتاب نورالامین اور خود قائداعظم۔

ناول نگار کا کارنامہ

ایک مصنف ارنسٹ وینٹیٹ نے 50 ہزار الفاظ پر ایک ناول لکھا۔ اس پورے ناول میں انگریزی حروف تہجی کا ایک حرف 'E' ایک دفعہ بھی استعمال نہیں کیا۔

پیاز کاٹتے وقت ہم روتے کیوں ہیں؟

پیاز کے اندر ایک طرح کا تیل ہوتا ہے جسے Allyl کہتے ہیں۔ جب ہم پیاز کاٹتے ہیں تو یہ تیل پیاز میں سے نکل کر ہوا میں شامل ہو جاتا ہے اور تیل ملی ہوا ہماری ناک اور آنکھوں میں داخل ہو کر ان کے اعصاب میں جلن اور چبھن پیدا کرتی ہے۔ اس پر ناک اور آنکھوں کے اعصاب دماغ سے فریاد کرتے ہیں کہ ہمیں اس مصیبت سے نجات دلاؤ۔ دماغ آنکھوں کے غدود کو حکم دیتا ہے کہ جلدی سے پانی چھوڑ دو تاکہ ناک اور آنکھوں سے تیل صاف ہو جائے۔

☆☆☆

مسٹر لال بیگ نے تقریر سنی

عبیدہ صبا

ایک تو مسٹر لال بیگ ہمیشہ بوکھلائے رہتے ہیں، دوسرے وہ کسی کو کب بولنے دیتے ہیں۔ کوئی بھی بات کرے، وہ لازمی درمیان میں بول کر بات کا مزا کرکرا کرتے ہیں۔ مسٹر لال بیگ صحن میں بیٹھے ہیں، دروازہ بجا، منے نے جا کر کھولا اور بتایا کہ کوئی آدمی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

''اچھا تو بلا لو اسے اندر۔'' مسٹر لال بیگ نے کہا اور ٹانگیں سیدھی کر کے بیٹھ گئے۔ منے کے ساتھ ایک آدمی اندر داخل ہوا۔

''ابا! یہ آدمی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔'' منے نے بتایا۔

''اچھا تو یوں کرو کرسی لے آؤ۔'' منا بھاگا بھاگا گیا اور کرسی لے آیا۔

اب اندر آنے والا آدمی پریشان ہے کہ کیا کرے۔

''جی میں کراچی سے.........''

مسٹر لال بیگ نے درمیان میں سے بات کاٹ دی اور بولے۔

''تو آپ کراچی کے رہنے والے ہیں۔ وہاں میرے ددھیال رہتے ہیں۔ میں کافی عرصہ کراچی رہا ہوں۔ واہ کیا بات ہے کراچی کی۔''

''جی میں عرض کر رہا تھا کہ میں صبح سے......'' اس آدمی نے پھر سے بات کی۔

''معاف کرنا بھائی صاحب، آپ تو ہمارے مہمان ہیں۔ میں تو باتوں ہی باتوں میں بھول ہی گیا تھا کہ آپ کی خاطر تواضع بھی کرنی ہے۔''

''مودے ادھر آ۔'' مودا جو تختی لکھ رہا تھا، بھاگ کر آیا۔

''جی ابا۔'' مودا بولا۔ اس نے اس آدمی کی طرف دیکھا اور کہا۔ ابا یہ آدمی تو...... مسٹر لال بیگ نے بات کاٹی اور جلدی سے کہا، ''باتیں بعد میں کر لینا۔ جا ان کے لیے کھانا لے کر آ۔''

''ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ......'' آدمی پھر مخاطب ہوا۔

''جی باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ آپ پہلے پان نوش فرمایئے۔'' مسٹر لال بیگ نے کلائی سے پان کی تھیلی کھولی تو اس میں پان نہ پا کر بلو کو آواز دی۔

''بلو اِدھر خاص دان لے کر آ۔'' بلو خاص دان لے آیا۔

مسٹر لال بیگ نے خاص دان سے پان نکالا اور بنا کر اس آدمی کو دیا۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے پان لے لیا۔

''یہ خالص پان ہیں۔ اس جیسا پان آپ کو کہیں نہ ملے گا بھائی صاحب!'' مسٹر لال بیگ نے کہا۔

''ہاں تو کراچی میں کہاں رہائش ہے آپ کی؟'' مسٹر لال بیگ نے پوچھا۔

”جی کراچی میں میری بہن ناظم آباد کے......“

مسٹر لال بیگ نے پھر بات کاٹی۔ ”اوہ! ناظم آباد، وہاں میرے چچا کے داماد کے خالو رہتے ہیں۔ ہم اکثر وہاں جایا کرتے تھے۔“

”میں پھر عرض کرتا ہوں......“ اس آدمی نے کہا۔

”جناب عرض بعد میں کیجیے گا۔ یہ لیجیے حقہ گڑگڑائیے۔“ مسٹر لال بیگ نے حقہ آگے کر دیا۔ ”ٹھہریے! میں ذرا حقہ تازہ کر لوں۔ راشد اِدھر آ حقہ تازہ کر کے لا۔“ راشد آیا اور حقہ لے گیا۔

مودا ٹرے میں کھانا لا رہا تھا۔ بلو نے میز آگے کر دی۔

”جی، اب نوش فرمایئے!“ مسٹر لال بیگ نے دعوت دی۔

”ابا یہ آدمی......“ مودا بولا۔

”ابے! بے ادب چچا کہہ کر مخاطب کر، کراچی سے آئے ہیں۔“ مسٹر لال بیگ نے ڈانٹا۔

”اچھا تو آپ کیا کہہ رہے تھے؟“ اس آدمی نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ مودا پھر بول پڑا۔

”ابا...... ابا! ان کو میں نے......“ ”ابے کھانا تو کھانے دے انہیں۔ اتنی دور سے آئے ہیں کچھ مہمان نوازی سیکھ لے۔“ مسٹر لال بیگ نے جھاڑ پلائی۔

”ہاں تو جناب! آپ ہاتھ منہ دھو آیئے پھر کھانا کھایئے گا۔“

وہ آدمی اٹھ کر ہاتھ دھونے چلا گیا۔ واپس آیا تو کرسی پر بیٹھ گیا۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ مسٹر لال بیگ اٹھ کر دروازہ کھولنے گئے۔ ”جناب معاف کیجیے گا، میں ابھی آتا ہوں۔“

دروازے پر ایک انیس بیس سال کا لڑکا کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پرچہ تھا جس پر لکھا تھا کہ ہم لوگ کراچی سے آئے ہیں۔ راستے میں کسی نے جیب کاٹ لی، اگر ہو سکے تو کرائے کے پیسے دے دیجیے۔

مسٹر لال بیگ یہ سن کر تھوڑا سا کھسکے۔ اندر آئے، مودا پھر بولا۔ ”ابا یہ آدمی باہر گلی میں چندہ مانگ رہا تھا۔ باہر اس کا ہی ایک ساتھی کھڑا ہے۔“

مسٹر لال بیگ جھٹ اندر آئے۔ اس آدمی کو بازو سے کھڑا کیا۔ ”اچھا تو تم کراچی......“ آدمی نے مسٹر لال بیگ کی بات کاٹی اور بولا۔

”جناب میں یہی عرض کر رہا تھا کہ میں کراچی سے آیا ہوں۔ راستے میں ہماری جیب کٹ گئی......“

”بس بس بھاگو یہاں سے۔“ مسٹر لال بیگ نے جھٹ سے کھانے کی ٹرے اس کے سامنے سے اٹھائی اور بازو سے پکڑ کر اسے دروازے سے باہر کیا۔

کل رات مسٹر لال بیگ کے خالو تشریف لائے۔ خالو جان جب بھی آتے ہیں اپنا دیوان بھی بغل میں دبائے چلے آتے ہیں۔ وہ اپنے اشعار اور غزلیں سنائے بغیر نہ رہ سکتے تھے اور پھر مسٹر لال بیگ بھی شاعری کے رسیا نکلے۔ جب سے خالو جان تشریف لائے تھے۔ گھر میں ہڑبونگ مچی ہوئی تھی۔ اتفاق کہہ لیجیے اسی دن راشد کے اسکول میں تقریری مقابلہ تھا، جس کی تیاری بھی کرنی تھی اور وقت بھی کم تھا۔ مسٹر لال بیگ رات کے وقت ایک طرف شاعری سن رہے ہیں اور دوسری طرف راشد کی تقریر۔ سب سے پہلے ایک کرسی لائی گئی۔ اس پر راشد کو کھڑا کیا گیا۔ خالو جان مسٹر لال بیگ کے دوسری طرف شعر سنا رہے ہیں۔ راشد نے تقریر شروع کی۔

”اچھا! اچھا ایک شعر سن لوں، صبر کر۔“ مسٹر لال بیگ نے راشد کو روکا۔

”ہاں تو میں نے عرض کیا۔ ”آیا ہے جب سے بجلی کا بل۔“

”واہ...... واہ! کیا بات ہے۔ بجلی کا بل کمال کا شعر ہے۔“

”اجی کمال کا شعر نہیں۔ یہ میرا اپنا ذاتی شعر ہے جناب!“ خالو جان نے بُرا سا منایا۔

”خالو جان کیا یاد دلا دیا۔ ابھی پچھلے ماہ 8 ہزار کا بل آیا ہے۔ خدا جانتا ہے، سارے گھر کا بجٹ ہل کے رہ گیا ہے۔ پندرہ دن سے مسلسل دفتروں کے دھکے کھا رہا ہوں۔“

”اگلا مصرع سنیے عرض کیا ہے۔“ خالو جان پھر گویا ہوئے۔

”پہلا مصرع مکرر ارشاد!“ مسٹر لال بیگ نے فرمائش کی۔

”آیا ہے جب سے بجلی کا بل۔“ خالو جان نے نہ چاہتے ہوئے بھی مکرر ارشاد کر دیا۔

”ابا جان! میری تقریر سن لیجیے۔“ راشد نے منت کی۔

”اچھا...... اچھا! شروع کرو۔“ ”میرے محترم اساتذہ کرام اور عزیز ساتھیو!“ راشد نے تقریر شروع کی۔

خالو جان بولے۔ ”اگلا مصرع عرض ہے۔“

”اجی گولی ماریے اگلے مصرعے کو۔ بچے نے تقریر شروع کر

دی ہے۔'' مسٹر لال بیگ بدحواس ہوئے۔

''ابا میرا سخت مقابلہ ہے۔ صبح میں نے جلدی اسکول بھی جانا ہے۔'' راشد بہت فکر مند تھا۔

''کیوں نہیں، میرا بیٹا اول آئے گا۔'' مسٹر لال بیگ نے اکڑ کر کہا۔

خالو جان بہت ناراض تھے اور چپ سے ہو گئے۔ مسٹر لال بیگ نے دیکھا تو معذرت کرنے لگے۔

''خالو جان! دراصل بچے نے تقریری مقابلے میں حصہ لیا ہے۔ تیاری تو مجھے ہی کروانی ہے۔ آپ ارشاد فرمائیے اگلا شعر۔''

''عرض کیا ہے، آیا ہے جب سے بجلی کا بل۔'' مسٹر لال بیگ چونکے اور راشد کو کرسی سے اترنے کا کہا۔ راشد حیران سا کرسی سے نیچے اتر آیا۔

''ابا میری تقریر!'' راشد نے کہا۔

''اب تقریر بھی ہو جائے گی۔ اماں سے پوچھ بجلی کا بل آیا ہے۔'' مسٹر لال بیگ نے راشد کو بیوی کے پاس بھیجا۔

راشد بجلی کا بل لے آیا۔ مسٹر لال بیگ نے بل غور سے پڑھا۔

''بارہ ہزار دو سو!'' مسٹر لال بیگ بڑبڑائے۔

اب ان کو پر لگ گئے۔ ''ارے اتنا زیادہ بل۔'' انہوں نے سب بچوں کو اکٹھا کیا اور بجلی کی بچت پر زوردار تقریر کی۔

راشد نے یاد دہانی کروائی کہ اسے تقریر کرنا ہے۔ مسٹر لال بیگ بار بار جھڑک دیتے۔ ادھر خالو جان اگلا مصرع سنانے پر بہ ضد تھے۔ صغیرہ بانو نے الگ بحث شروع کر دی کہ پچھلا بل لگ کر آیا ہے۔

''تو کیا اب ہم لالٹین جلانا شروع کر دیں۔ یہ ہم سے نہ ہوگا۔''

جب تکرار بڑھنے لگی تو مسٹر لال بیگ شور سے گھبرا کر چلائے۔

''خاموش!'' اور سب جیسے ایک دم خاموش ہو گئے۔

''اچھا تو خالو جان! اگلا مصرع سنائیے۔'' مسٹر لال بیگ کو جیسے یاد آ گیا۔

''ہاں تو عرض کیا ہے۔ آیا ہے جب سے بجلی کا بل۔''

''کیا اونچا خیال بیان کیا ہے شعر میں۔ واہ......واہ......'' مسٹر لال بیگ نے داد دی۔

''جناب! خیال نہیں، حقیقت بیان کی ہے۔ میری شاعری حقیقت کی عکاسی کرتی ہے۔ عجب بد ذوق آدمی ہیں آپ۔'' خالو جان سخت تلملائے۔

مسٹر لال بیگ اب کھسیانے سے ہوئے۔

''ابا رات کے بارہ بج گئے ہیں، صبح جلدی جانا ہے اسکول۔'' راشد فکر سے بدحواس ہوا۔

''اچھا! ایسا کر صبح جلدی اٹھ جانا۔ ایک بار پھر مشق کر لیں گے۔'' مسٹر لال بیگ نے راشد کو سلا دیا۔

ادھر خالو جان خراٹے لینے لگے۔ چہرے پر پریشانی تھی، جیسے اگلا مصرع نہ سنانے پر پریشان ہیں۔ مسٹر لال بیگ نے سوچا باقی شعر صبح سن لیں گے۔

بدقسمتی سے صبح آنکھ دیر سے کھلی۔ جلدی سے راشد کو تقریر کی مشق کے لیے اٹھایا۔ ادھر خالو جان بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ صغیرہ بانو نے سب کو ناشتا کرایا۔

اب راشد پھر کرسی پر کھڑا تھا۔ خالو جان ہاتھ میں بیاض لیے شعر سنانے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ راشد نے تقریر شروع کی۔

مسٹر لال بیگ کی نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا ادھ کھلی آنکھ سے تقریر سنتے رہے۔

راشد اپنی دھن میں مگن تقریر کیے جا رہا تھا۔ دھڑام سے دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔

کچھ بچے شور کرتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔ بچوں کے ہاتھ میں انعامی کپ تھا۔ راشد کا ہم جماعت انور تقریری مقابلے میں اول آیا تھا اور اسے انعامی کپ ملا تھا۔ راشد اور مسٹر لال بیگ نے بہ یک وقت دیوار پر لگی گھڑی پر وقت دیکھا تو گیارہ بج چکے تھے۔ تقریری مقابلے کا وقت گزر چکا تھا۔

خالو جان نے اگلا مصرع سنایا۔ ''عرض ہے، اگلا مصرع

آیا ہے جب سے بجلی کا بل
نکل گئے سب میرے کس بل''

مسٹر لال بیگ نے پہلے تو راشد کو دیکھا اور پھر خالو جان کو اور بجلی کا بل لے کر باہر کی طرف تیزی سے نکلے۔

راشد پیچھے سے چلایا۔ ''ابا میرا انعام......؟''

خالو جان بولے۔ ''پوری غزل تو سنتے جایئے۔'' اور اپنی بیاض سمیت مسٹر لال بیگ کے پیچھے دوڑے۔

☆☆☆

مالک نوکر سے: ''بلی میری مری ہے اور رو تم رہے ہو؟''
نوکر: ''وہ اس لیے کہ دودھ میں پیتا تھا اور الزام بلی پر آتا تھا۔''
(محمد ابوہریرہ، اسلام آباد)

نام

ایک بچہ تیزی سے گھر میں داخل ہوا اور ایک بلب پر اپنے باپ کا نام لکھ کر لگا دیا۔
ماں نے پوچھا: ''بیٹا یہ کیا کر رہے ہو؟''
بچے نے جواب دیا: ''باپ کا نام روشن کر رہا ہوں۔''
(ایمل سہیل جوسس، ایبٹ آباد)

علی: ''جلدی گھر جاؤ تمہارے گھر میں آگ داخل ہو گئی ہے۔''
عمر: ''کیوں جھوٹ بولتے ہو، گھر کی چابی تو میرے پاس ہے۔''
(عائشہ مصدق، اسلام آباد)

قدر

استاد شاگرد سے: ''تم مسلسل غیر حاضر کیوں رہتے ہو؟''
شاگرد: ''جناب! آپ ہی تو کہتے ہیں کہ قدر کھو دیتا ہے ہر روز کا آنا جانا۔''
(کامران اصغر، لاہور)

ایک دوست دوسرے دوست سے: ''کیا کر رہے ہو؟''
دوسرا دوست: ''چھوٹے بھائی کو خط لکھ رہا ہوں۔''
پہلا: ''لیکن تمہیں تو لکھنا نہیں آتا۔''
دوسرا: ''تو اُسے کون سا پڑھنا آتا ہے۔''
(سعد خالد ظفر، قلعہ دیدار سنگھ)

گاہک: ''تمہاری دکان تو مٹھائی کی ہے کیا تمہارا دل کھانے کو نہیں چاہتا؟''
پٹھان: ''بہت کرتا ہے کھانے کو، مگر ابا رس گلے گن کر جاتا ہے، اس لیے چوس کر رکھ دیتا ہوں۔''
(معروف علی، تربیلا)

ریس میں ایک آدمی جو سب سے آخر میں دوڑ رہا تھا۔ اچانک وہ سب سے آگے نکل گیا اور ریس جیت گیا۔
لوگوں نے اس سے پوچھا: ''تم اچانک سب سے آگے کیسے نکل گئے؟''
آدمی: ''پہلے تم لوگ یہ بتاؤ کہ میرے پیچھے کتا کس نے لگایا تھا؟''
(ارتضیٰ عمر لطیف، لیہ)

دھوکہ

بازار میں کپڑے کی دکان پر بورڈ آویزاں تھا۔
''عمدہ کپڑا خریدنے کے لیے کہیں اور جا کر دھوکہ نہ کھائیں، ہمارے ہاں تشریف لائیں۔''
(بسمہ ناز، لیہ)

پریکٹس

ایک ڈاکٹر نے اپنے دوست سے کہا: ''یہاں آ کر میری پریکٹس چوپٹ ہو گئی ہے۔''
دوست نے جواباً مسکرا کر کہا: ''یہ سب نیچے لکھے بورڈ کا کمال ہے۔''
ڈاکٹر نے حیرت سے پوچھا۔ ''وہ کیسے؟''
دوست نے کہا: ''کیوں کہ اس پر لکھا ہے اوپر جانے کا راستہ۔''
(صبوحی خان، لاہور)

ہمارے ہیرو

روحی خان

صلاح الدین ایوبی

آج سے کوئی ساڑھے 8 سو سال پہلے اسرائیل کے سرپرستوں کے آباء واجداد نے مسلمانوں سے بیت المقدس چھین کر وہاں ان کا خون بہایا تھا اور شام کے بہت سے اہم شہروں میں اپنی حکومتیں قائم کر لی تھیں۔ اس وقت کی حکومت سیدھی سادی تھی۔ اس لیے یہودیوں یا کسی اور قوم کو آلہ کار بنانے کی بجائے سارا یورپ مشرق وسطیٰ پر اُمڈ آیا تھا۔ فرنگیوں نے سال ہا سال مسلمانوں کے ساتھ ظلم روا رکھا۔ پھر ایک دن مسلمانوں نے فرنگیوں سے بیت المقدس واپس لے لیا۔ جب یورپ کے تمام بڑے بڑے بادشاہ اپنے ٹڈی دل لشکر لے کر ان کی مدد کو آئے تو انہیں نہایت ذلت آمیز شکست دے کر مار بھگایا۔

یہ کارنامہ مسلمانوں نے کیسے انجام دیا۔ ان میں کیا ایسی چیز تھی جس سے آج کے عرب عاری ہیں۔ اس سوال کا جواب اس مجاہد صلاح الدین ایوبی کے کردار سے مل جائے گا۔

گیارہویں صدی کے آخر میں مشرق وسطیٰ میں مسلمانوں کا اندرونی اور بیرونی خطرات کی وجہ سے ان کا مستقبل تاریک ہو گیا تھا۔ ترکوں کی عظیم الشان سلطنت، بغداد کی عباسی حکومت پارہ پارہ ہو چکی تھی۔

شام اور ایشیائے کوچک میں قونیہ یا روم اور مصر میں فاطمی خلافت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ فرنگیوں نے عسقلان کا ایک اہم شہر جو شام کی سرحد پر واقع تھا، پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ باطنی فرقے کے لوگ جو دہشت پسند اور مذہب و اخلاق کے دشمن تھے انہوں نے فتنے اٹھا رکھے تھے۔ ان حالات میں عماد الدین زنگی نے مسلمانوں کی ناؤ کی پتوار سنبھالی، مسلمانوں میں جہاد کی روح پھونکی اور فرنگیوں کو شام سے مار بھگایا اور مسلمانوں کو استحکام بخشا۔

عماد الدین کے بعد اس کے بیٹے نور الدین محمود نے دمشق کی ریاست کو فرنگیوں سے آزاد کرایا۔ لہٰذا خلیفہ بغداد نے اسے ''الملک العادل'' کا خطاب دیا۔ یہ وہ حالات تھے جن میں اسلام کے عظیم فرزند صلاح الدین ایوبی کی خداداد صلاحیتیں پروان چڑھیں۔

صلاح الدین ایوبی امیر نجم الدین کا بیٹا تھا جس نے نہایت آسانی سے نور الدین کو دمشق پر قبضہ کرا دیا تھا۔ صلاح الدین 1138ء میں تکریت کے قلعہ میں پیدا ہوا۔ وہ لمبے قد اور چھریرے بدن کا نوجوان تھا۔ اس کی آنکھوں میں غضب کی چمک تھی جس سے ایک فکر جھلکتی تھی۔ اس کی زندگی کا انداز عالمانہ اور زاہدانہ تھا۔ وہ نہایت پرہیزگار اور انتہائی صلح جو واقع ہوا تھا اس لیے جنگ اور خونریزی کی طرف اس کی طبیعت مائل نہ ہوتی تھی۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ خدا نے اسے کس مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اور اس میں کیا کیا صلاحیتیں ودیعت کی ہیں۔

جب دمشق پر نور الدین کا قبضہ ہوا تو صلاح الدین کو اس کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ نور الدین کی جوہر شناس نگاہوں نے اس لڑکے کی صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور اس کی خاص تربیت کی۔ اس کے علاوہ اپنے چچا شیرکوہ کی رفاقت میں اس کے جوہر ایسے چمکے کہ

وہ صلاح الدین اعظم بن گیا۔

صلاح الدین نے اپنے چچا شیر کوہ کے ساتھ بہت سے معرکوں اور مہمات میں حصہ لیا۔ یہ اس کی شہرت اور ترقی کا آغاز تھا۔

صلاح الدین نے مصر کو فرنگیوں سے آزاد کرایا۔ معرکہ بابین میں صلاح الدین اور شیر کوہ نے ایسا معجزہ کر دکھایا کہ حضرت خالد بن ولید کی یاد تازہ کر دی۔ جب فرنگیوں نے مصر پر دوبارہ قبضہ کیا تو خلیفہ نے شیر کوہ اور صلاح الدین سے مدد طلب کی۔ یہاں بھی انہوں نے فرنگیوں کو شکست فاش دی۔ مصر کے حاکم عاضد نے صلاح الدین کو ''الملک الناصر'' کا خطاب دیا۔

1182ء تک مغربی ایشیا کے تمام مسلم فرماں رواؤں نے صلاح الدین کی بالادستی تسلیم کر لی تھی۔ بیت المقدس کا بادشاہ بالڈون چہارم تھا۔ فرنگیوں نے بیت المقدس کی حفاظت کے لیے سرحدی قلعے بنا رکھے تھے۔ سلطان نے فتح حطین کے بعد یروشلم پر قبضہ کرلیا۔ سلطان نے عہد کیا تھا: ''عیسائیوں نے جس طرح یروشلم مسلمانوں سے چھینا تھا، اسی طرح میں اسے آزاد کرا کے دم لوں گا۔'' اب اس کا یہ عہد پورا ہونے کا وقت آ گیا تھا۔

مشہور مؤرخ امیر علی لکھتے ہیں کہ اس وقت شہر میں ساٹھ ہزار فرنگی موجود تھے۔ شہر کی آبادی اس کے علاوہ تھی۔ فصیل پر جدھر نگاہ اٹھتی تیراندازوں اور سپاہیوں کا ایک ہجوم نظر آتا تھا۔ اسقف اعظم کے علاوہ، ملکہ سبل اور اس کی بہن ازابیل بھی یہیں موجود تھیں۔

شہر کے قریب پہنچ کر سلطان نے ممتاز اور بااثر شہریوں کو طلب کیا اور ان سے کہا: ''تمہاری طرح میں بھی اس شہر کو ایک انتہائی مقدس مقام سمجھتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ اس میں خلق خدا کا خون بہا کر اس کی بے حرمتی کی جائے۔ میں اپنے خزانے سے تمہیں کثیر رقم دوں گا اور کاشت کے لیے زمینیں بھی۔ تم لوگ فصیلیں خالی کر دو۔'' یہ بڑی فیاضانہ پیش کش تھی مگر صلیبیوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ انہیں یقین تھا کہ ان کے مذہبی پیشوا اور اولیاء اپنی روحانی قوت سے شہر کو بچالیں گے۔ ان کی اس ہٹ دھرمی پر سلطان کو سخت غصہ آیا اور اس نے عہد کر لیا کہ میں ان فرنگیوں سے ان ہزاروں مسلمانوں کا انتقام لے کر رہوں گا جنہیں ان کے آباؤ اجداد نے یروشلم پر قبضہ کرتے وقت شہید کیا تھا۔

پھر وہ اپنی فوج کو شہر کی مشرقی جانب ایک بلند مقام پر لے آیا۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں سے اٹھاسی برس پہلے صلیبیوں نے بیت المقدس پر حملہ کیا تھا۔ فصیلوں پر سے تیروں کی بارش شروع ہوگئی لیکن مجاہدین اسلام نے اس کی قطعی پروانہ کی اور بڑھ کر فصیل میں نقب لگا دی پھر اس کی بنیادوں میں لٹھے رکھ کر انہیں آگ لگا دی۔ لٹھوں کے جلتے ہی دیوار میں شگاف پڑ گیا اور مسلمان جان باز تیروں کی بوچھاڑ میں شہر کے اندر داخل ہوگئے۔

اسقف اور دوسرے لوگوں نے خدا کے نام پر رحم کی اپیل کی۔ رحم دل سلطان کو مفتوح شہریوں پر ترس آ گیا، اس کی آتش انتقام سرد پڑ گئی اور اہل شہر کو حفظ و امان کے ساتھ شہر سے نکل جانے کی اجازت مل گئی۔ جب ملکہ سبل اپنے خدام کے ساتھ سلطان کو الوداع کہنے کے لیے آئی تو سلطان نے نہایت عزت و احترام کے ساتھ اس کو رخصت کیا اور اس کی دل جوئی کے لیے بڑی ہم دردی کے ساتھ اس سے باتیں کیں۔

مؤرخ امیر علی کے بیان کے مطابق مفتوح صلیبیوں کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے سلطان اس وقت تک شہر میں داخل نہیں ہوا جب تک کہ وہ سب رخصت نہیں ہوگئے۔

اس موقع پر سلطان نے مفتوح قوم یعنی فرنگیوں کو مال و اسباب اور اسلحہ دے کر جانے کی اجازت دی۔ سلطان نے خود عورتوں اور بچوں کا تاوان ادا کیا۔ غریب جو فدیہ نہ دے سکتے تھے ان کا فدیہ ادا کیا۔ ماؤں کو ان کے بچوں اور بیویوں کو ان کے شوہروں کے حوالے کیا تاکہ وہ بے سہارا نہ رہ جائیں۔ زخمیوں اور بیماروں کی تیمار داری کی لیکن مسیحیوں نے بے گھر مسلمانوں کے ساتھ بے انتہا بدسلوکی کی، جس کی مغربی مؤرخوں نے سخت مذمت کی ہے۔

حطین کی طرح یروشلم میں بھی دشمن نے جمعہ ہی کے مبارک دن ہتھیار ڈالے تھے۔ شہر میں پہنچ کر ہزاروں مسلمان مسجد اقصیٰ کی صفائی اور تطہیر میں لگ گئے۔ جسے ٹیمپلروں نے اپنے محل میں تبدیل کرلیا تھا۔ پھر سلطان نے حلب سے لکڑی کا وہ نازک اور منقش منبر

منگوایا جو سلطان نور الدین نے مسجد اقصیٰ کے لیے تیار کرایا تھا۔ اسے نہایت احترام سے مسجد میں نصب کر دیا گیا۔

ہیرلڈ لیمب نے اٹھاسی برس کے بعد مسجد اقصیٰ میں پہلی نماز کا نقشہ بڑے دل کش انداز میں کھینچا ہے۔ ”نیلے آسمان تلے اذان گونجنے لگی۔ زرہ پوش اور جبہ پوش شانہ بشانہ سیدھی صفوں میں کھڑے ہو گئے۔ یہ عالم گیر اخوت کا زندہ مظہر تھا۔“

سلطان صلاح الدین تاریخ عالم کا ایک عظیم ترین اور انتہائی بہادر بادشاہ تھا لیکن اس کی عظمت محض تدبر اور جنگ تک محدود نہ تھی بلکہ اس کی شخصیت کے بہت سے دوسرے پہلو بھی اس کی بڑائی کے آئینہ دار تھے۔

سخاوت اور فیاضی اس کی فطرت میں داخل تھی۔ سلطان کے تمام اوصاف میں بنیادی چیز اس کی دین داری اور زہد و تقویٰ تھا۔ وہ پابند صوم و صلوٰۃ تھا۔ اس نے عمر بھر کسی حرام شے کو چھوا تک نہیں۔ لوگوں میں مشہور ہو گیا تھا کہ سلطان کے پاس سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ امراء اسے اکثر سائلوں کے ہجوم سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے۔ ایک مرتبہ اس نے دیکھا کہ شاہی خزانہ بھرا ہوا ہے۔ خزانچی کو بلا کر حکم دیا کہ اسے دونوں ہاتھوں سے لٹا دو۔

وہ بڑا علم دوست تھا، علماء اور پرہیز گار لوگوں کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ کوئی باصلاحیت آدمی اس کے دربار سے خالی ہاتھ نہ جاتا تھا۔ اس کی کابینہ میں وقت کے دو مشہور عالم شامل تھے، قاضی فاضل اور عماد الدین خطیب اصفہانی۔ اس کے پرائیویٹ سیکرٹری یگانہ روزگار شیخ بہاؤ الدین بن شداد تھے۔

امریکی مؤرخ ہٹی لکھتا ہے کہ نظام الملک طوسی کے بعد علمی ادارے قائم کرنے میں کوئی صلاح الدین کا ہم سر نہیں گزرا۔ اس کے عہد حکومت میں دمشق درس گاہوں کا شہر بن گیا تھا۔ قاہرہ میں بھی اس نے بہت سی درسگاہیں قائم کیں۔ ان تمام علمی اداروں میں مصر کا مدرسہ الصلاحیہ خاص مقام رکھتا تھا۔

فن تعمیر سے بھی اسے گہری دلچسپی تھی۔ اس کے تعمیر کردہ مدرسے خانقاہیں، شفاخانے، نہریں اور مسجدیں جو آج بھی دمشق، قاہرہ اور دوسرے شہروں میں اس کی یاد دلاتے ہیں۔

فاتح بیت المقدس، فلسطین، لبنان اور مصر کا جب انتقال ہوا تو کفن کے لیے قرض حاصل کر کے اس کی تدفین کا انتظام کیا گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے ذاتی مال اور ملکیت کا حساب کیا گیا تو ایک گھوڑا، ایک تلوار، زرہ، ایک دینار اور چھتیس درہم کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اس کی حج کرنے کی شدید خواہش تھی لیکن نہ کر سکے، کیوں کہ اس کے لیے اتنی رقم نہ تھی۔

3 مارچ 1193ء کو یہ عظیم انسان خالق حقیقی سے جا ملا۔ سلطان کو جامع دمشق کے پاس دفن کیا گیا پھر اس کی تربت پر ایک شان دار مقبرہ تعمیر کیا گیا، جو مشرق وسطیٰ کی ایک قابل دید عمارت اور زیارت گاہ عام ہے۔

سلسلہ ”کھوج لگایئے“ میں ان بچوں کے جوابات کے بھی درست تھے

انصر علی، وہاڑی۔ سعد سہیل، جہلم۔ زارا وہاب، اسلام آباد۔ تیمور علی اعوان، گوجرانوالہ۔ روحین زمان، کرک۔ عیشہ حیاء، لاہور۔ حافظ محمد الیاس، خوشاب۔ احمد علی، ملتان۔ داؤد احمد، گجرات۔ اسامہ ظفر راجہ، جہلم۔ محمد ہریرہ بن وحید، واہ کینٹ۔ راضیہ سید، راول پنڈی۔ اسامہ احمد، سرگودھا۔ فاطمہ بیگ، لاہور۔ محمد احسن مقصود، اوکاڑہ۔ حوا ملک، لاہور۔ ملک افتخار احمد، لاہور۔ محمد فریاد علی قادری، کامونکی۔ حافظ نعمان اسلم، لاہور۔ محمد عدیل، سعدیہ خان، طاہرہ عمر، راول پنڈی۔ حورعین احسان، راول پنڈی۔ محمد اسامہ منصور، اسلام آباد۔ عمر امتیاز، لالہ موسیٰ۔ رافعہ ہاشمی، لاہور۔ حفصہ اعجاز، صوابی۔ مرزا حاشر بیگ، لاہور۔ اُرویٰ معطر بیگ، گجرات۔ محمد آصف جمال، لاہور۔ ضوفشاں وحید، لاہور۔ ثیزہ جاوید، گوجرانوالہ۔ جویریہ سعید، راول پنڈی۔ ہادیہ فرقان، لاہور۔ ہادیہ، اٹک۔ نمرہ فرید، لاہور۔ ثمرن عظیم، اسلام آباد۔ خدیجہ حسن، لاہور۔ عبیداللہ عامر، لاہور۔ مآب زینت، جہلم۔ صداقت علی، لاہور۔ سہیل سوہیل، اسلام آباد۔ رمشاء درویش، رسالپور۔ زین غازی، راول پنڈی۔ ابوہریرہ، گوجرانوالہ۔ حافظہ اقراء الیاس، لاہور کینٹ۔ رجاء خالد، لاہور۔ ایمن سلیم، گوجرانوالہ۔ محمد حارث کبیر، اسلام آباد۔ محمد شیراز کامران، راول پنڈی۔ اقصیٰ نور، ڈیرہ اسماعیل خان۔ اسد علی انصاری، ملتان۔ میمونہ خان، ڈیرہ اسماعیل خان۔ عائزہ صفدر، تلہ گنگ۔ رخشی آفتاب، فاطمہ حسن، کراچی۔ ابرار الحق، قصور۔ یمین اعجاز، گجرات۔ غالیہ اظہر، اسلام آباد۔

"فرح باجی! ایک گلاس پانی تو دینا۔" فاروق بھائی نے لحاف سے جھانکتے ہوئے کہا۔

"خود پی لو، اُٹھ کر۔" فرح باجی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"پلیز! ایک گلاس پانی دے دونا، مجھے شدید پیاس لگی ہے۔" فاروق بھائی نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

"غضب کی سردی پڑ رہی ہے اور تمہیں پیاس لگی ہے؟"

"کیا شدید سردی میں پیاس نہیں لگ سکتی؟" فاروق بھائی نے جھلا کر کہا۔

"لگ سکتی ہے...... میں نے کب کہا کہ نہیں لگ سکتی۔"

"تو پھر اُٹھ کر پانی دے دیں نا!"

"تم ایک کام کیوں نہیں کرتے۔" باجی نے منہ سے لحاف ہٹاتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" فاروق بھائی نے جلدی سے پوچھا۔

"یہی کہ اُٹھ کر اچھے بچوں کی طرح خود پانی پی لو۔" وہ مسکرائیں۔

فاروق بھائی نے بُرا سا منہ بنایا، بولے۔

"اگر آپ ایک گلاس پانی پلا دیں گی تو کوئی قیامت نہیں آ جائے گی۔"

"یہی بات میں تمہارے لیے کہتی ہوں، خود اُٹھ کر پانی پی لو گے تو گھس نہیں جاؤ گے اور ویسے بھی اپنے ہاتھ سے کام کرنا سنت ہے۔ شاباش! اُٹھو اور پانی پی لو، بلکہ یوں کرو، ایک گلاس پانی مجھے بھی دے دو۔" فرح باجی کی بات سن کر فاروق بھائی تو جل کر کوئلہ ہی ہو گئے۔

"باجی! یہ آپ اچھا نہیں کر رہی ہیں۔ کسی دن آپ کو بھی کام پڑ سکتا ہے، پھر نہ کہیے گا۔"

"نہیں کہتی۔" فرح باجی شوخی سے مسکرائیں۔

فاروق بھائی نے ان سے نا اُمید ہو کر میری طرف دیکھا۔ پیار بھری آواز میں بولے۔

"تم تو میرے اچھے بھائی ہو، تم ہی ہمت کرو اور مجھے پانی پلا دو۔"

"آپ ایک گھنٹے سے دوسروں کی منتیں کر رہے ہیں، خود کیوں نہیں اُٹھ جاتے؟" میں نے جل کر کہا۔

"اس لیے کہ میں لحاف سے باہر نہیں نکل سکتا۔" انہوں نے کہا۔

"کیوں! کیا لحاف آپ سے چپک گیا ہے یا آپ لحاف

سے۔'' میں نے کہا۔

''دونوں میں سے کوئی ایک بات بھی نہیں ہے۔'' وہ آہستہ سے مسکرائے۔

''پھر کیا مسئلہ ہے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''بات دراصل یہ ہے کہ میں جیسے ہی لحاف سے باہر نکلوں گا، مجھے سردی لگ جائے گی اور تمہیں تو معلوم ہو گا کہ سردی لگنے سے نمونیا ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔'' فاروق بھائی نے جلدی جلدی کہا۔

''شاباش! آپ کا خیال ہے، دوسرے انسان نہیں ہیں؟ یا وہ سردی پروف ہیں۔'' میں نے جل کر کہا۔

''یہ بات نہیں، چھوٹے ہمیشہ اپنے بڑوں کی خدمت کرتے ہیں۔'' فاروق بھائی مسکرائے۔

''کیا فرح باجی آپ سے چھوٹی ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''بھئی! بڑوں کا بھی حق بنتا ہے کہ چھوٹوں کا خیال رکھیں، اگر بڑے ہی چھوٹوں کی خدمت سے ہاتھ کھینچ لیں تو یہ خدمت پھر کون کرے گا۔'' فاروق بھائی نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

''ایسا دکھائی دیتا ہے، تم لوگ خود نیند لو گے اور نہ ہی کسی دوسرے کو سونے دو گے۔ میں کہتی ہوں، تم لوگ آرام سے سو کیوں نہیں جاتے۔'' امی جان کی کڑکتی آواز سن کر فرح باجی اور میں نے جلدی سے لحاف منہ پر لے لیا۔

''امی جان! مجھے پیاس لگ رہی ہے۔'' فاروق بھائی کی آواز سن کر ہم دونوں نے لحاف منہ سے ہٹائے۔

''ایک گھنٹے سے تقریر جھاڑ رہے ہو، اُٹھ کر خود پانی کیوں نہیں پی لیتے۔'' امی جان نے انہیں گھورا۔

''وہ...... وہ...... امی جان...... سردی...... لگ...... لگ جائے گی۔'' فاروق بھائی نے اٹک اٹک کر کہا۔

''ٹھیک ہے، میں تمہیں پانی دیتی ہوں، کیونکہ مجھے سردی نہیں لگتی ہے۔'' امی جان نے غصے سے کہا اور اُٹھنا چاہتی تھیں کہ فاروق بھائی نے لحاف پرے پھینکا اور چھلانگ لگا کر چارپائی سے نیچے کودے اور جب پانی پی کر دوبارہ لحاف میں گھسے تو ان کے دانت بج رہے تھے۔ آج واقعی بہت سردی تھی۔

''اب اگر کسی کی آواز سنائی دی تو کان کھینچ لوں گی...... سمجھے؟'' امی جان بولیں۔

''لیکن امی! آواز تو زبان سے...... میرا مطلب ہے، آواز تو منہ سے نکلے گی اور آپ نے کان کھینچنے کی دھمکی دی ہے۔ یہ تو زیادتی ہو گی، بے چارے کان کے ساتھ۔'' فاروق بھائی نے ڈری ڈری آواز میں کہا۔ امی جان نے گھور کر ان کی طرف دیکھا اور بولیں۔

''فاروق، تمہیں تو میں صبح دیکھ لوں گی۔''

''اب کیوں نہیں امی جان؟'' فرح باجی کی شوخ آواز اُبھری۔ امی جان نے غضب ناک نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔ اس سے قبل کہ کچھ کہتیں، معاً ایک تیز آواز لہرائی۔

سب کے کان کھڑے ہو گئے، بالکل خرگوش کے کانوں کی صورت، پھر سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، جیسے پوچھ رہے ہوں، بھئی! یہ کیسی آواز تھی، کوئی کچھ نہ بولا۔ آواز ایک بار پھر لہرائی۔ اس بار پہلے سے تیز تھی۔

''یہ...... یہ تو یوں لگتا ہے، جیسے کوئی گنگنایا ہو'' فرح باجی نے سہم کر کہا۔

''کون ہو سکتا ہے؟'' فاروق بھائی بولے۔ اُن کے لہجے میں بھی خوف تھا۔

''ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے، کوئی بلی وغیرہ ہو گی۔'' میں نے لاپرواہی سے کہا۔ عین اُسی وقت ایک ہلکی سی چیخ گونجی۔ سب اپنے اپنے بستر پر اُچھل پڑے اور پھر حیرت و خوف سے ایک دوسرے کو تکنے لگے۔

''امی! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' فرح باجی کی آواز میں کپکپاہٹ صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔

''کچھ یہی حال میرا بھی ہے۔'' یہ فاروق بھائی تھے۔

''کیا تمہیں بھی خوف محسوس ہو رہا ہے، امجد؟'' امی جان نے مجھ سے پوچھا۔

''جی نہیں امی، میں ان کی طرح بزدل نہیں ہوں۔'' میں نے سینہ پھلا کر کہا۔ عین اسی وقت دروازے پر زور دار دستک ہوئی اور میں بستر سے اُچھل کر فرش پر آ رہا۔

''کون ہے؟'' امی جان قطعاً خوفزدہ نہیں تھیں اور یہ بات ہمارے لیے حیران کن تھی، کیوں کہ امی جان پورے گھر میں سب سے زیادہ بزدل یا ڈرپوک مشہور تھیں۔ اس وقت ان کی دلیری اور

بے خوفی قابل دید تھی۔ ہم نے دیکھا، باہر سے جواب نہ ملنے کے باوجود امی جان چارپائی سے اُٹھیں اور دروازے پر پہنچ گئیں۔

''باہر کون ہے؟'' انہوں نے گرج دار آواز میں کہا۔ باہر سے اس بار بھی کوئی جواب نہ آیا۔

''کیا تم بہرے ہو؟ میری آواز نہیں سن رہے کیا؟''

جواب میں ایک زور دار قہقہہ سنائی دیا اور ساتھ ہی عجیب سی آواز میں کہا گیا۔

''میں ڈاکو ہوں اور اس گھر کا صفایا کرنے آیا ہوں۔''

''ڈاکو!'' فاروق بھائی نے بلند آواز سے کہا اور لگے تھر تھر کانپنے۔

''ہاں، جلدی سے دروازہ کھولو۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔''

''دیکھو! ڈاکو بھائی، جو کچھ بھی ہے، دوسرے کمرے میں ہے، آپ وہاں سے لے لیں۔ پلیز! ہمیں مت تنگ کریں۔ ہم کم زور دل کے لوگ ہیں، آپ کا دیدار نہیں کر سکیں گے۔'' میں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ امی جان نے شعلہ برساتی نگاہوں سے مجھے دیکھا، بولیں۔

''یہ کیا بک رہے ہو؟''

''ہاں! یہ کیا بک رہے ہو پاگل؟'' فرح باجی نے امی کے انداز میں کہا۔

''تم لوگوں نے اپنی ٹرٹر شروع کر دی۔ دروازہ کھولو، میرے پاس ضائع کرنے کے لیے فالتو وقت نہیں ہے۔'' ڈاکو کی ناگوار سی آواز سنائی دی۔

''ایسا عجیب اور غریب ڈاکو ہم زندگی میں پہلی بار دیکھ رہے ہیں۔'' فاروق بھائی نے پُرسکون آواز میں کہا۔ شاید انہوں نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

''تم مجھے دیکھ کب رہے ہو، میں تو دروازے کے اس پار ہوں۔'' ڈاکو زور سے ہنسا۔

''ڈاکو بھائی! درست کہا آپ نے، لیکن ہم کہہ چکے ہیں، اس کمرے میں سوائے ہم لوگوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ زیور اور نقدی ساتھ والے کمرے میں موجود ہے۔ آپ وہاں سے لے لیں۔'' فاروق بھائی نے کہا۔

''وہ تو میں لے ہی لوں گا۔ اصل میں، میں آپ لوگوں سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں، جلدی دروازہ کھولیں۔'' آواز آئی۔

''ایک بات تو آپ دروازہ کھلوائے بغیر بھی کہہ سکتے ہیں، بلکہ ایک سے زائد باتیں بھی، پھر دروازہ کھلوانے پر کیوں بہ ضد ہیں۔'' میں نے کہا۔

''جو بات کہنا چاہتا ہوں، وہ یوں کہنے سے مزا نہیں آئے گا۔'' ڈاکو کی آواز میں شوخی تھی۔

''تو آپ یوں کہیں نا، مزا لینے کے لیے دروازہ کھلوا رہے ہیں۔'' میں نے جل کر کہا۔ امی جان نے گھور کر میری طرف دیکھا، بولیں۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو، اس موئے سے بچنے کے لیے کوئی ترکیب سوچو۔'' ان کی آواز بہت مدھم تھی۔ اتنی کہ باہر نہیں پہنچ سکتی تھی۔

''ویسے، میں نے ایسا ڈاکو آج سے پہلے دیکھا، نہ سنا ...... یہ ضرور کوئی چکر ہے۔'' فرح باجی نے سرگوشی کی۔

''یہ تو آپ نے ایسے کہا، جیسے آپ پہلے ڈاکو دیکھ چکی ہیں۔'' میں نے انہیں گھورا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ ہم اپنی اپنی چارپائیوں پر بیٹھے تھے اور کمرے کے دروازے کو دیکھ رہے تھے۔

''چکر ...... کیسا چکر؟'' امی جان نے میری بات کو نظر انداز کرتے ہوئے، فرح باجی سے پوچھا۔

''اس کا تو مجھے پتا نہیں، لیکن......''

''ایک تو انور بھائی ابھی تک لاہور سے واپس نہیں لوٹے۔ وہ بہت بہادر ہیں، اس موقع پر ضرور کچھ کرتے۔'' فاروق بھائی نے کہا۔ تمام باتیں سرگوشیوں میں ہو رہی تھیں۔ ڈر اور خوف پر لگا کر اُڑ چکا تھا اور اب میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں اس مشکل صورت حال میں کچھ کرنا چاہتا تھا۔

''امی! آپ اسے باتوں میں لگائے رکھیں، میں کھڑکی سے باہر جا کر دیکھتا ہوں۔'' میری بات سن کر امی جان خوف زدہ ہو گئیں، بولیں۔ ''اگر سچ مچ کا ڈاکو ہوا تو؟''

''آپ کا خیال ہے، جھوٹ موٹ کے ڈاکو بھی ہوتے ہیں؟ خیر، کوئی بھی ہوا، میرے اس بیٹ سے بچ نہیں پائے گا۔ پہلے اس سے میدان میں چھکے لگتے تھے۔ آج یہاں بھی ایک عدد چھکا لگ جائے گا۔ ویسے آپ تینوں میری کام یابی کے لیے دُعا کیجیے گا۔'' میں نے کہا اور بیٹ اُٹھا کر کھڑکی کے راستے باہر نکل گیا۔ باہر بہت اندھیرا تھا۔ جب بیرونی دروازے کے پاس پہنچا تو حیران رہ گیا۔ دروازہ چوپٹ کھلا تھا۔ میں دبے پاؤں اندر داخل ہوا۔ احتیاط سے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔ گویا ڈاکو صاحب کے فرار کا راستا بند کر چکا تھا۔ جب میں اس کمرے کے سامنے پہنچا، جس کے باہر ڈاکو صاحب موجود تھے تو حیران رہ گیا۔ ڈاکو کوئی اور نہیں، میرے بڑے بھائی انور تھے، وہ ملتان سے واپس آ چکے تھے اور اب آواز بدل کر ڈاکو بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔ گویا یہ اشارہ تھا کہ خاموش رہو۔ پھر وہ میرے پاس آئے اور سرگوشی کرتے ہوئے بولے۔

''بیرونی دروازہ کھلا تھا، تم نے دیکھ ہی لیا ہو گا۔ میں نے سوچا، تم لوگوں کو تنگ کیا جائے۔''

''ہم لوگ تو آپ سے یوں بھی تنگ ہیں۔'' میری زبان سے یہ الفاظ سن کر بھائی انور مجھے مارنے دوڑے مگر میں نے انہیں اس کا موقعہ ہی نہ دیا۔ تڑپ کر دور چلا گیا۔ بھائی جان دانت پیس کر رہ گئے۔ چند لمحے خاموشی میں گزر گئے، پھر وہ بولے۔

''کھلے دروازے سے فائدہ اُٹھا کر، اگر سچ مچ ڈاکو یا کوئی چور گھس آتا تو؟''

''تو آپ یہ بیٹ دیکھ ہی رہے ہیں، اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے، آہستہ سے کہا۔ بھائی جان کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے دبی ہوئی آواز میں کہا۔

''پھینکو مت کرو، غلطی پر شرمندہ ہونے کے بجائے شیخی بگھار رہے ہو۔''

''آپ تو مجھ پر خواہ مخواہ خفا ہو رہے ہیں، جب کہ یہ بھول تو کسی اور سے ہوئی ہے۔'' میں نے سہم کر کہا۔ اسی وقت فاروق بھائی کی حیرت میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

''امجد! ڈاکو بھائی سے گپ شپ کرنے لگے کیا؟''

''ڈاکو بھائی سے نہیں، انور بھائی سے۔'' میں نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

''کیا!!!'' فرح باجی کی حیرت میں ڈوبی آواز آئی اور ساتھ ہی دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ ہم نے دیکھا، تینوں کے چہروں پر حیرت اور خوشی کے ملے جلے آثار تھے۔

''انور بیٹے! تم نے تو ہمیں ڈرا ہی دیا۔'' امی جان کے لبوں پر مسکراہٹ تیر گئی۔

''جی یہ تو ہے، باقی باتیں بعد میں، پہلے یہ بتائیں، آپ لوگوں نے بیرونی دروازہ بند کر دیا تھا؟'' بھائی جان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

اُن کی بات سن کر امی جان نے فاروق بھائی کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر شرمندگی ہی شرمندگی تھی۔

میں سوچ رہا تھا، بھائی جان لاہور سے آج واپس نہ آ پاتے تو جانے کیا ہوتا، اس سرد رات ...... اور پھر اچانک لفظ سرد سے سردی یاد آ گئی۔

''ارے! آج کتنی سردی ہے اور ہم لوگ بغیر لحافوں کے کھڑے ہیں۔'' اتنا کہتے ہی میں دوڑا، پھر چھلانگ لگا کر اپنے بستر میں جا گھسا اور انتظار کرنے لگا کہ بھائی جان، فاروق بھائی کو ان کی بھول کی کیا سزا دیتے ہیں۔ بھائی جان کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔

''فاروق! تمہاری سزا یہ ہے، تم بغیر کوئی کپڑا لیے بازار سے چلغوزے لے کر آؤ۔''

''مم ...... مم ...... مگر بھائی جان ...... س ...... س سردی بہت ہے۔'' فاروق بھائی نے یہ الفاظ کچھ اس انداز سے کہے کہ سب ہنس پڑے۔

☆☆☆

خزانہ

(لیاقت علی، تلمبہ)

پرانی حویلی کے بلند و بالا کھنڈرات کے پیچھے سے چاند آہستہ آہستہ طلوع ہو رہا تھا۔ جنگل کے بیچوں بیچ بنی حویلی کے کھنڈرات چاند کی ملگجی روشنی میں ایک خوف ناک تاثر دے رہے تھے۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ گیدڑوں کی آوازیں ماحول کو اور بھی ہیبت ناک بنا رہی تھیں۔ بس ایک جنون سا تھا جو اسے منزل کی طرف لیے چلا جا رہا تھا۔ اچانک جنگل کی پرسکون فضا میں ایک مکروہ چیخ بلند ہوئی جو گہری خاموشی کو توڑتی ہوئی جنگل میں دور تک گونجتی چلی گئی اور کوئی پرندہ اس کے کانوں کے بالکل پاس سے پھڑ پھڑاتا ہوا گزر گیا۔ بس ایک لمحے کے لیے اس کا دل تیزی سے دھڑکا اور ڈگمگا گیا، مگر دوسرے ہی لمحے وہ پھر اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ وہ اس پرانی حویلی کی طرف جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اس پرانی حویلی کے کھنڈرات میں داخل ہو چکا تھا۔ حویلی میں داخل ہونے کے بعد اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، مگر اسے کچھ سمجھ نہیں آیا۔ اس نے جیب سے ایک مڑا تڑا سا کاغذ نکالا۔ اسے نہایت احتیاط سے کھولا اور ٹارچ کی روشنی میں غور سے دیکھنے لگا۔ وہ جیسے جیسے دیکھتا گیا اس کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا۔ اب وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اس نے اس کاغذ کو جیب میں رکھا اور حویلی کے کمروں کی طرف بڑھ گیا۔ آخر کار وہ ان کمروں کے درمیان میں بنے ہوئے ایک کمرے میں پہنچ گیا۔ یہاں گھپ اندھیرا تھا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی میں کمرے کو غور سے دیکھا۔ کمرے کے ایک کونے سے سیڑھیاں نیچے جاتی دکھائی دیں۔ وہ ان سیڑھیوں کی طرف بڑھا اور پھر تیزی سے نیچے اترتا چلا گیا۔

سیڑھیاں اترنے کے بعد اس نے اپنے آپ کو ایک تہہ خانے میں پایا۔ نقشے کے مطابق اس تہہ خانے سے اگلے کمرے میں خزانہ موجود تھا۔ تہہ خانہ میں بس دیواریں ہی دیواریں تھیں۔ وہ ٹارچ کی روشنی میں تہہ خانے کی دیواروں کو دیکھنے لگا۔ اچانک اسے ایک دیوار میں ہلکی سی دراڑ نظر آئی۔ اس نے اس دراڑ پر ہاتھ سے تھوڑا سا دباؤ ڈالا تو گڑگڑاہٹ کی آواز کے ساتھ وہاں سے دیوار کا ایک حصہ ایک طرف کو سرکتا چلا گیا اور دیوار میں ایک دروازے کے برابر خلا پیدا ہو گیا۔ اس نے اس خلا میں سے ہاتھ بڑھا کر ٹارچ سے روشنی اندر ڈالی۔ یہ ایک کمرا تھا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی سے سارے کمرے کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔ اس نے دیکھا ایک کونے میں فرش کچھ اُبھرا ہوا تھا۔ نقشے کے مطابق خزانہ اسی کونے میں دفن تھا۔ اس نے فوراً کھرپا نکالا اور وہاں سے کھدائی شروع کر دی لیکن خزانے کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ وہ مایوس ہو کر واپسی کا سوچ رہا تھا کہ اچانک اس کا کھرپا کسی سخت چیز سے ٹکرایا۔ اس نے کھدائی جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ کچھ دیر اور کھدائی کے بعد ایک چھوٹا سا صندوق نکل آیا۔ صندوق کو ایک زنگ آلود تالا لگا ہوا تھا۔ اس نے جیب سے چابیوں کا ایک گچھا نکالا۔ بہت سی چابیاں لگانے کے بعد آخر کار ایک چابی سے تالا کھل گیا۔ اس

وہ تینوں میز پر ایک نقشہ پھیلائے بڑے انہماک سے اسے دیکھنے میں مصروف تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اویس نقشے پر کہیں کہیں سرخ پنسل سے نشان بھی لگا رہا تھا۔

''ہاں تو دوستو!...... یہ وہ جگہ ہے جہاں ہمیں پہنچنا ہے۔ اب ہمیں اس جگہ کا سارا راستہ معلوم ہو گیا ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں کل ہی روانہ ہو جانا چاہیے۔'' اویس نے نقشے پر نشانات لگانے کے بعد اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' عامر نے اویس کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

''ہینڈز اپ! خبردار کسی نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش کی......'' ایک نقاب پوش ان پر پستول تان کر بولا۔ بوکھلاہٹ میں وہ تینوں ہاتھ اوپر کیے کھڑے ہو گئے۔ نقاب پوش نے میز پر پڑے نقشے کو جھپٹ کر اٹھا لیا اور پھر برق رفتاری سے باہر نکلتا چلا گیا۔ وہ تینوں شدید خوف کے عالم میں نیچے بیٹھتے چلے گئے۔

''ایک تو انور بھائی ابھی تک لاہور سے واپس نہیں لوٹے۔ وہ بہت بہادر ہیں، اس موقع پر ضرور کچھ کرتے۔'' فاروق بھائی نے کہا۔ تمام باتیں سرگوشیوں میں ہو رہی تھیں۔ ڈر اور خوف پر لگا کر اُڑ چکا تھا اور اب میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں اس مشکل صورت حال میں کچھ کرنا چاہتا تھا۔

''امی! آپ اسے باتوں میں لگائے رکھیں، میں کھڑکی سے باہر جا کر دیکھتا ہوں۔'' میری بات سن کر امی جان خوف زدہ ہو گئیں، بولیں۔ ''اگر سچ مچ کا ڈاکو ہوا تو؟''

''آپ کا خیال ہے، جھوٹ موٹ کے ڈاکو بھی ہوتے ہیں؟ خیر، کوئی بھی ہوا، میرے اس بیٹ سے بچ نہیں پائے گا۔ پہلے اس سے میدان میں چھکے لگتے تھے۔ آج یہاں بھی ایک عدد چھکا لگ جائے گا۔ ویسے آپ تینوں میری کام یابی کے لیے دُعا کیجیے گا۔'' میں نے کہا اور بیٹ اُٹھا کر کھڑکی کے راستے باہر نکل گیا۔ باہر بہت اندھیرا تھا۔ جب بیرونی دروازے کے پاس پہنچا تو حیران رہ گیا۔ دروازہ چوپٹ کھلا تھا۔ میں دبے پاؤں اندر داخل ہوا۔ احتیاط سے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔ گویا ڈاکو صاحب کے فرار کا راستا بند کر چکا تھا۔ جب میں اس کمرے کے سامنے پہنچا، جس کے باہر ڈاکو صاحب موجود تھے تو حیران رہ گیا۔ ڈاکو کوئی اور نہیں، میرے بڑے بھائی انور تھے، وہ ملتان سے واپس آ چکے تھے اور اب آواز بدل کر ڈاکو بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔ گویا یہ اشارہ تھا کہ خاموش رہو۔ پھر وہ میرے پاس آئے اور سرگوشی کرتے ہوئے بولے۔

''بیرونی دروازہ کھلا تھا، تم نے دیکھ ہی لیا ہو گا۔ میں نے سوچا، تم لوگوں کو تنگ کیا جائے۔''

''ہم لوگ تو آپ سے یوں بھی تنگ ہیں۔'' میری زبان سے یہ الفاظ سن کر بھائی انور مجھے مارنے دوڑے مگر میں نے انہیں اس کا موقعہ ہی نہ دیا۔ تڑپ کر دور چلا گیا۔ بھائی جان دانت پیس کر رہ گئے۔ چند لمحے خاموشی میں گزر گئے، پھر وہ بولے۔

''کھلے دروازے سے فائدہ اُٹھا کر، اگر سچ مچ ڈاکو یا کوئی چور گھس آتا تو؟''

''تو آپ یہ بیٹ دیکھ ہی رہے ہیں، اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے، آہستہ سے کہا۔ بھائی جان کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے دبی ہوئی آواز میں کہا۔

''پھینکو مت کرو، غلطی پر شرمندہ ہونے کے بجائے شیخی بگھار رہے ہو۔''

''آپ تو مجھ پر خواہ مخواہ خفا ہو رہے ہیں، جب کہ یہ بھول تو کسی اور سے ہوئی ہے۔'' میں نے سہم کر کہا۔ اسی وقت فاروق بھائی کی حیرت میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

''امجد! ڈاکو بھائی سے گپ شپ کرنے لگے کیا؟''

''ڈاکو بھائی سے نہیں، انور بھائی سے۔'' میں نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

''کیا!!!'' فرح باجی کی حیرت میں ڈوبی آواز آئی اور ساتھ ہی دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ ہم نے دیکھا، تینوں کے چہروں پر حیرت اور خوشی کے ملے جلے آثار تھے۔

''انور بیٹے! تم نے تو ہمیں ڈرا ہی دیا۔'' امی جان کے لبوں پر مسکراہٹ تیر گئی۔

''جی یہ تو ہے، باقی باتیں بعد میں، پہلے یہ بتائیں، آپ لوگوں نے بیرونی دروازہ بند کر دیا تھا؟'' بھائی جان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

اُن کی بات سن کر امی جان نے فاروق بھائی کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر شرمندگی ہی شرمندگی تھی۔

میں سوچ رہا تھا، بھائی جان لاہور سے آج واپس نہ آ پاتے تو جانے کیا ہوتا، اس سرد رات ...... اور پھر اچانک لفظ سرد سے سردی یاد آ گئی۔

''ارے! آج کتنی سردی ہے اور ہم لوگ بغیر لحافوں کے کھڑے ہیں۔'' اتنا کہتے ہی میں دوڑا، پھر چھلانگ لگا کر اپنے بستر میں جا گھسا اور انتظار کرنے لگا کہ بھائی جان، فاروق بھائی کو ان کی بھول کی کیا سزا دیتے ہیں۔ بھائی جان کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔

''فاروق! تمہاری سزا یہ ہے، تم بغیر کوئی کپڑا لیے بازار سے چلغوزے لے کر آؤ۔''

''مم ...... مم ...... مگر بھائی جان ...... س ...... س سردی بہت ہے۔'' فاروق بھائی نے یہ الفاظ کچھ اس انداز سے کہے کہ سب ہنس پڑے۔

☆☆☆

ابراہیم نے کہا۔

''مس نے تو میرا نام بھی لیا تھا لیکن سب اسی کے پاس جمع ہیں۔ آخر کیوں؟ میں بھی تو لائق ہوں۔'' سعد نے نبیل سے کہا۔

''پچھلی دفعہ جب تم سے چند لڑکوں نے سوال سمجھنے کی کوشش کی تھی تو تم نے ان کی کتنی بے عزتی کی تھی، ان کا کتنا مذاق اُڑایا تھا۔ تمہارا لہجہ کتنا بُرا ہوتا ہے جب کہ ابراہیم سب سے حسن اخلاق سے بولتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سب میں ہر دل عزیز ہے۔ بے شک تم بھی لائق ہو مگر انسان کا اخلاق جتنا اچھا ہو گا اتنا ہی وہ اچھا جانا جائے گا۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''کوئی آئینہ انسان کی اتنی اچھی تصویر نہیں پیش کر سکتا جتنا اس کا اخلاق۔ ہمارے پیارے نبیؐ نے اپنے حسن اخلاق سے دشمنوں کے دل بھی جیت لیے تھے۔'' نبیل نے سعد کو سمجھایا۔

''تم نے تو میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ دولت اور ذہانت اعلیٰ چیز نہیں بلکہ اچھے اخلاق ہی انسان کو اچھا بناتے ہیں۔''

اگلے دن سعد سب سے مسکرا کر اور اچھے اخلاق سے مل رہا تھا۔ اب سعد سب میں ہر دل عزیز تھا۔ اس کی ذہانت اور قابلیت میں اچھے اخلاق نے چار چاند لگا دیے تھے۔

(دوسرا انعام: 100 روپے کی کتب)

ہم زندہ قوم ہیں

(طوبیٰ شوال، عثمان پورہ)

''ڈیڈی! آج تو آفس سے ہوتے ہوئے ہمارے لیے سبز سبز رنگ کے کپڑے ضرور لیتے آیئے گا۔'' فاطمہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''اور پاپا! مجھے بھی ٹیٹوز بنانے کے لیے فیس کلر چاہئیں۔'' رضوان بھی فاطمہ کی آواز سن کر اپنا ہوم ورک ادھورا چھوڑے فاطمہ کے پیچھے چلا آیا۔ ''اوہ میری جان پکا وعدہ! آج میں آپ دونوں کی فرمائشیں ضرور پوری کروں گا۔'' ملک اسلم نے کہا۔

''واہ! اب مزہ آئے گا۔ تھینک یو ڈیڈی!'' دونوں بچے مسرت سے چلائے۔

یوم پاکستان کی آمد آمد تھی۔ ملک اسلم سرکاری افسر تھا جو رشوت لے کر غریبوں کا خون چوس رہا تھا۔ ملک میں روز بہ روز بڑھتی ہوئی مہنگائی نے عوام کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی اور ہزاروں پڑھے لکھے نوجوان بے روزگار تھے۔ ملک اسلم اپنے ہم وطنوں کے لیے آستین کا سانپ بنا ہوا تھا۔ تھوڑے عرصے بعد وہ پرانے ملازمین کو فارغ کرتے اور ان کی جگہ نئے لوگوں سے رشوت لے کر حرام کی کمائی سے عیش کرتے تھے۔

ملک اسلم کی ایک بیٹی فاطمہ اور بیٹا رضوان تھا۔ وہ شہر کے سب سے بڑے اور مہنگے تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم تھے۔ یہ دونوں بہن بھائی اسکول میں اپنے قیمتی کھلونے لے جا کر اپنے دوستوں کو دکھاتے اور اپنی تعریف سن کر مغرور ہو جاتے۔

شام کو آفس ٹائم کے بعد رضوان اور فاطمہ اپنے باپ کے ہمراہ خریداری کرنے گئے۔ انہوں نے 23 مارچ کے لیے خاص طور پر سبز رنگ کا لباس خریدا اور اپنے چہروں پر جھنڈے اور ٹیٹوز وغیرہ بنانے کے لیے دیگر سامان بھی خریدا۔ انہوں نے اتنی خریداری کر ڈالی کہ کار کا پچھلا حصہ مکمل طور پر چیزوں سے بھر گیا۔

اگلے روز ملک اسلم اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ انہیں ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔ ''ٹھہرو میرے دشمن'' ملک اسلم نے آس پاس نظریں گھمائیں لیکن ان کے سوا کوئی دوسرا شخص وہاں موجود نہ تھا۔

''کون ہو تم؟'' ملک اسلم نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

''میں تمہارے پاکستان کا بانی قائداعظمؒ ہوں۔''

''قائداعظم آپ......'' ملک اسلم نے اپنے دفتر کی دیوار پر آویزاں قائداعظم محمد علی جناح کی تصویر کو دیکھا۔

''ہاں یہ میں ہوں۔ آج میں تمہارے ضمیر کو جگانے آیا ہوں۔'' اس روشن تصویر سے دھیمی سی آواز آئی۔ ''کک...... کیسے......'' ملک اسلم نے حواس باختہ ہو کر کہا۔ تم نے رشوت خوری کا بازار گرم کر رکھا ہے جس نے ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ قائدؒ نے اس کے ''کارنامے'' بیان کرنے شروع کر دیے۔ ملک اسلم کا ماتھا پشیمانی اور ندامت کے پسینے سے تر تھا۔ وہ قائدؒ کی روح کے سامنے شرمندہ تھا، اس نے وعدہ کیا کہ وہ قائدؒ کے اصولوں پر عمل کرے گا اور ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کرے گا۔

(تیسرا انعام: 90 روپے کی کتب)

☆☆☆

سوال یہ ہے کہ......!

۱۔ بحیثیت گورنر جنرل قائداعظم کی تنخواہ کتنی تھی؟
۲۔ دوزخ کے ساتویں طبقے کو کیا کہا جاتا ہے؟
۳۔ مینارِ پاکستان کی بلندی کتنی ہے؟
۴۔ معجزہ کس زبان کا لفظ ہے؟
۵۔ نوشیرواں شاہِ ایران کے محل کے کتنے کنگرے گرے تھے؟
۶۔ ''تبیہ'' کے کیا معنی ہیں؟

درج بالا سوالوں کے جوابات مارچ 2013ء کے شمارے میں موجود ہیں۔ آپ رسالہ غور سے پڑھیے اور اپنے جوابات لکھ بھیجئے۔ درست جواب دینے والے تین خوش نصیبوں کو 300 روپے کی انعامی کتب دی جائیں گی۔ تین سے زیادہ درست حل آنے کی صورت میں بہ ذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیے جائیں گے۔

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10/مارچ 2013ء ہے۔

کھوج لگائیے

نام: ______
شہر: ______
مکمل پتا: ______
______
موبائل نمبر: ______

آیئے عہد کریں

کوپن ارسال کرنے کی آخری تاریخ 10/مارچ 2013ء ہے۔

نام ______ مقام ______
میں عہد کرتا/کرتی ہوں کہ ______
______
موبائل نمبر: ______

کوپن ارسال کرنے کی آخری تاریخ 10/مارچ 2013ء ہے۔

سوال یہ ہے کہ......!

نام ______ عمر ______
مکمل پتا: ______
______
موبائل نمبر: ______

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10/مارچ 2013ء ہے۔

دماغ لڑاؤ

نام: ______
مقام: ______
مکمل پتا: ______
______
موبائل نمبر: ______

فروری کے موضوع ''مرغی اور چوزہ'' ارسال کرنے کی آخری تاریخ 10/مارچ 2013ء ہے۔

ہونہار مصور

نام ______ عمر ______
مکمل پتا: ______
______
موبائل نمبر: ______

میری زندگی کے مقاصد

کوپن پُر کرنا اور پاسپورٹ سائز رنگین تصویر بھیجنا ضروری ہے۔

نام ______ شہر ______
مقاصد ______
______
موبائل نمبر: ______

فرزانہ چیمہ

ایسے ملا کرو......

ابو جان اخبار پڑھتے پڑھتے اچانک چونک اٹھے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس طرف متوجہ ہو گئے۔ ڈرائنگ روم سے آنے والی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ کوئی ہر بات بے بات پہ قسم اٹھائے جا رہا تھا۔ ''بکواس مت کرو'' ایک دوسری آواز آئی۔ ''میں تم سے بڑی گپ لگا سکتا ہوں۔ کرنا ہے میرا مقابلہ؟''

''اوئے تو...... اور مجھے مقابلے کی دعوت دے۔ تیری یہ جرأت......؟ میرے سامنے تو کس کھیت کی مولی ہے بھلا؟''

''اگر اجازت ہو تو میں کچھ کہوں۔'' ایک اور آواز آئی جو دوسری آوازوں کے شوروغل میں دب کر رہ گئی۔ ابو جان پریشان سے ہو گئے۔ یہ کیا سبزی منڈی لگا رکھی ہے راشد نے۔ جہاں ہر کوئی اپنی بولی بولے جا رہا تھا۔ انہوں نے اخبار تہہ کیا اور اٹھ کر بچوں کے کمرے میں آ گئے۔ رابعہ ہوم ورک کرنے کے بعد اپنی کتابیں بیگ میں ڈال رہی تھی۔ یہ اتنی سی عمر میں کس ذمہ داری سے کام کرتی ہے اور ادھر راشد کے دوست ہیں کہ آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے۔ انہوں نے دکھ سے سوچا۔ شاید ہم نے لڑکوں کی تربیت کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ وہ رابعہ سے اس کے اسکول کی باتیں کرنے لگے۔ اس کی پڑھائی کی...... اس کی سہیلیوں کی...... اس کے اساتذہ کرام کی۔ ابو جان بچوں سے قریب رہتے۔ یوں رابعہ خود کو بہت اہم سمجھتی اور اسکول میں بھی اچھے سے اچھا کام کرنے کی کوشش کرتی۔

رابعہ جانتی تھی کہ شام کو ابو جان نے باتوں ہی باتوں میں، اس کے ساتھ بیٹھ کر دن بھر کی رپورٹ لے لینی ہے، ایسی ہی ایک نشست وہ راشد کے ساتھ بھی لگایا کرتے تھے۔ ان کی امی جان بھی ان کے دوستوں اور ان کی دن بھر کی مصروفیات سے باخبر رہتی تھیں۔ اس طرح دونوں بچے نہایت ذمہ دار اور اعلیٰ عادات واطوار کے مالک تھے۔ خالد اور مناہل ابھی اسکول نہیں جاتے تھے۔ انہیں امی جان خود ہی باتوں باتوں میں، پیاری پیاری کہانیوں کے ذریعے اچھے بُرے کی تمیز کروایا کرتیں۔

مغرب کی اذان ہوئی تو راشد کے دوست بھی رخصت ہو گئے۔ ابو جان راشد کے ہمراہ مغرب کی نماز پڑھ کر لوٹے تو سیدھے برآمدے میں آ کر بیٹھ گئے۔ جہاں امی جان بیٹھی مناہل کا فراک سی رہی تھیں۔

''راشد میاں! آج تمہارے دوستوں نے بڑا شور مچا رکھا تھا۔ کون سا مسئلہ زیر بحث تھا؟''

''ابو جان! میں تو انہیں بہت منع کر رہا تھا لیکن وہ کسی کی سنتے ہی نہیں، بس ایک محمد علی ہے جو بڑی تمیز سے بات کرتا ہے۔ باقی تو سارے فارغ ہیں، ادب آداب سے'' راشد نے دکھ سے کہا۔

''پھر آپ ان کے دوست کیوں کر بن گئے بیٹے؟ دوست تو خوب دیکھ بھال کر اور اچھے لوگوں کو بنانا چاہیے۔ آپ کو تو پتا ہے کہ دوست کے اخلاق و کردار کا ہم پر کتنا اثر پڑتا ہے۔''

''ابو جان! میرے یہ دوست سب بہت اچھے ہیں۔ ان میں کوئی بھی اخلاقی بُرائی نہیں۔ آپ تو جانتے ہیں کہ جھوٹ، چوری، غیبت، تکبر، حسد اور بخیلی اور کنجوسی سے مجھے...... بلکہ ہم سب لوگوں کو کتنی کوفت ہوتی ہے۔ میرے ان دوستوں میں ایسی کوئی بھی بات نہیں۔ بس ذرا ہر کوئی بولتے ہوئے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بولنا چاہتا ہے' اس لیے ایک ہنگامے کی سی کیفیت برپا ہو جاتی ہے۔'' راشد نے بڑے خلوص سے اپنے دوستوں کا دفاع کیا۔

جو لڑکا قسموں پر قسمیں کھائے جا رہا تھا وہ کون تھا؟'' ابو جان نے پوچھا۔

''قسموں پر قسمیں کھانے والا......؟'' راشد نے لمحہ بھر کو سوچا پھر مسکرا کر بولا۔

''ہاں! آپ شاید فاروق کی بات کر رہے ہیں۔ ہم نے اس کا نام فاروق قسمیہ رکھا ہوا ہے۔ یہ ہر بات پر قسم کھانے کے لیے ادھار کھائے بیٹھا ہوتا ہے۔'' راشد کی اس بات پر سب ہنس پڑے۔

''اور وہ لڑکا کون تھا جو اتنی روانی سے بکومت، بکومت کی گردان کر رہا تھا......؟''

''ہاں وہ...... وہ ریاض ہے۔ اس کے بولنے کا یہی انداز ہے۔ کئی دفعہ استادوں سے ڈانٹ کھا چکا ہے۔''

''اور پھر بھی کہتے ہو کہ میرے دوست اچھے ہیں جنہیں بات کرنے کا سلیقہ نہیں۔'' ابو جان دکھ سے بولے۔

میں تو حیران ہوتی ہوں آج کل کے والدین پر، بچوں کے آرام و آسائش کے لیے...... نمود و نمائش کے لیے ڈھیروں روپیہ خرچ کر دیتے ہیں لیکن انہیں مہذب یا شائستہ بنانے کی چند ضروری باتیں بھی نہیں سکھا پاتے۔ کسی بس میں سفر کر کے دیکھ لیں۔ چھٹی کے وقت کسی اسکول کے سامنے کھڑے ہو کر دیکھ لیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ تمیز تو ان بچوں کو چھو کر بھی نہیں گزری۔ بس کم ہی کوئی بچہ بہترین اخلاق کا مالک نظر آتا ہے۔'' امی جان دکھ سے بولیں۔

''اس میں قصور کس کا ہے......؟ بھئی میں تو اس میں ماں کو بھی قصوروار ٹھہراؤں گی۔ اس لیے کہ ماں کی گود بچے کا پہلا مکتب ہوتی ہے۔ وہی اسے بُرے بھلے کی تمیز نہیں سکھائے گی تو اور کون سکھائے گا......؟'' امی جان نے فراک کو سیدھا کرتے ہوئے جواب دیا۔

''راشد بیٹے! آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟'' ابو جان کسی بھی مسئلے پر ہر ایک کی رائے ضرور لیا کرتے تھے۔

''ابو جان! میرے خیال میں تو امی جان کی بات بالکل درست ہے۔ بس اس پر صرف اتنا اضافہ کرنا چاہوں گا کہ ماں کے بعد استاد کا بھی بڑا ہاتھ ہوتا ہے ہماری تعلیم و تربیت میں۔ آج ہمارے اسکول میں ایسے اساتذہ شاذونادر ہی ملیں گے۔ ہر کوئی اتنی جلدی میں ہوتا ہے کہ کوئی اچھی بات بتانا تو رہا ایک طرف بعض ہمارا ہوم ورک بھی ٹھیک سے چیک نہیں کرتے' جس سے نہ تو اچھا کام کرنے والے کو شاباش ملتی ہے اور نہ کسی کام چور کو سزا۔''

''ہاں بیٹے! یہ ہمارے دور کا ایک المیہ ہے کہ زندگی کا ہر شعبہ بگاڑ کا شکار ہوتا جا رہا ہے، خیر مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ جہاں پھول ہو وہاں کانٹا بھی ضرور ہوتا ہے۔'' ابو جان اداسی سے بولے۔ ''اب پھول تو بس اکا دُکا ہی رہ گئے ہیں اور کانٹوں کی بھرمار ہے جس نے سب کو زخمی کر رکھا ہے۔'' امی جان نے دکھ سے کہا۔

''ہاں بھئی رابعہ آپ کا کیا خیال ہے؟'' ابو جان رابعہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

''ابو جان! اب ہم بچوں نے اچھی اچھی کتابیں اور کہانیاں پڑھنی چھوڑ دی ہیں اس لیے ہمارا یہ حال ہے۔''

''ٹھیک ...... بالکل ٹھیک بیٹے! ایک اچھی کتاب یا ایک اچھی کہانی کردار کو بنانے بگاڑنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔''

''ابو جان! خود آپ نے اس مسئلے پر کوئی رائے نہیں دی۔ بس ہم سے پوچھے جا رہے ہیں آپ بھی تو کچھ بتائیں۔'' راشد کی

بات پر سب مسکرا دیے۔

''بیٹا! آپ سب نے بڑے اچھے نکات اٹھائے ہیں مگر یہ نکات صرف یہیں تک محدود نہیں رہنے چاہئیں۔ جب ہم غلط بات کو دیکھیں تو ہمیں خلوص دل سے اس کے تدارک کی کوشش کرنی چاہیے۔ ورنہ ہماری سوچ بچار، ہماری اصلاحی گفتگو سب کچھ نمائش کی حد تک رہ جائے گا اور یوں ہم صرف باتیں ہی باتیں کرنے والے ہوں گے جب کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو عمل کی اہمیت ہے، کچھ کر گزرنے میں ہی بہتری ہے۔ میرے خیال میں آج کے بچوں میں بگاڑ کا بڑا سبب یہ ہے کہ والدین خصوصاً باپ اپنے بچوں کو وقت نہیں دیتے۔ ان کے ساتھ دن بھر میں گھنٹہ آدھ گھنٹہ بھی پیار اور محبت سے بات نہیں کرتے۔ ان کے مسائل اور مشکلات کے بارے میں نہیں پوچھتے۔ انہیں مناسب راہ نمائی نہیں دیتے۔ بڑی عجیب سی بات ہے کہ باپ سارا دن کاروبار میں پیسہ کمانے کی دھن میں مصروف رہتے ہیں مگر اپنی اصلی اور بڑی دولت کے نفع و نقصان سے قطعاً بے نیاز اور لاپروا ہو جاتے ہیں۔ بچے ہماری انمول نعمت ہیں ان کی عمدہ تربیت ہمارے لیے صدقہ جاریہ ہوتی ہے۔ ان کی نیک نامی اور نیکی والدین کے مرنے کے بعد بھی راحت وسکون کا باعث ہو گی۔ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا ثابت ہو گی مگر افسوس کہ ہمارے پاس دنیا جہان کے کام کرنے کا وقت ہے۔ نہیں ہے تو اپنے بچوں کے لیے وقت نہیں ہے۔'' ابو جان نے ایک سرد آہ بھری۔ پھر جیسے کچھ یاد آ گیا ہو۔

''راشد بیٹے! آج کیا دن ہے بھلا......؟''

''ابو جان! آج بدھ ہے۔'' راشد نے جواب دیا۔

''آپ ایسا کریں بیٹا! کہ جمعہ کے دن ٹھیک چار بجے اپنے ان تمام دوستوں کو چائے پر بلا لو، کیا پتا کہ چائے کے ایک کپ کی بدولت ان کی زندگی میں قدرے بہتری آ جائے۔''

''بہتری......؟ کیسی بہتری ابو جان......؟'' راشد کو چائے پارٹی کا سن کر مزا بھی تو آ گیا۔

اسے مہمانوں کو کھلانے پلانے میں ایک خاص لطف آتا تھا اور جب یہ مہمان اپنے دوست ہی ہوں پھر تو خوشی کا کیا ہی کہنا۔

''بہتری یہ ہو گی بیٹا کہ ان سے اچھی اچھی باتیں کریں گے۔ بچے تو نرم و نازک کونپل کی طرح ہوتے ہیں انہیں جس طرف چاہیں موڑ دیں۔''

''ٹھیک ابو جان! بالکل ٹھیک۔ بہت مزا آئے گا۔'' راشد کا خوشی کے مارے بُرا حال تھا۔

چنانچہ مقررہ دن ابو جان جمعہ پڑھنے کے بعد قریبی مارکیٹ سے چائے کا سامان لے آئے۔ گاجر کا حلوہ امی جان نے تیار کر رکھا تھا۔ رابعہ نے فروٹ چاٹ بنا لی۔ لیجیے جناب! ایک شان دار سی پارٹی ہو گئی۔ سب دوستوں نے خوب مزے سے کھایا پیا۔ نماز عصر کے بعد ابو جان بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔

''راشد میاں! اپنے دوستوں کا تعارف نہیں کرواؤ گے۔'' ابو جان نے سب کی طرف دیکھ کر کہا۔

''کیوں نہیں ابو جان! یہ میرے دائیں ہاتھ پر زاہد ہے۔ اس سے آگے عادل بیٹھا ہے اس کے ساتھ فاروق بیٹھا ہے......''

''فاروق قسمیہ؟'' ابو جان نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور سب لڑکوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔ ''میرے بچو! بات یہ ہے کہ جس طرح ہر کام کرنے کے کچھ اصول، کچھ طریقے اور کچھ آداب ہوتے ہیں اسی طرح بات چیت کرنے کے بھی چند آداب ہیں۔ ہر بات پر قسم کھانا مناسب نہیں ہوتا۔ مسلمان تو جھوٹ بول ہی نہیں سکتا' اس پر ویسے بھی دوسروں کو یقین ہوتا ہے پھر ناحق قسمیں کھانے سے کیا حاصل......؟ اچھا آپ میں سے کوئی بتائے گا کہ اچھی گفتگو کرنے کے لیے ہمیں کن اصولوں کو سامنے رکھنا پڑتا ہے۔'' چونکہ فاروق بہت جھینپ رہا تھا اس لیے ابو جان نے لڑکوں کو سوال کا جواب سوچنے میں لگا دیا۔ سب لڑکے سوچ میں پڑ گئے آخر خالد نے ان کی مشکل حل کی۔

''انکل! کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ آج آپ ہمیں گفتگو کرنے کے چند سنہری اصول بتا دیں۔''

''چلیے میں ہی بتا دیتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ لوگوں نے خود بھی ان اصولوں پر عمل کرنا ہے اور کم از کم تین نئے لوگوں کو بھی باتوں باتوں میں یہ اصول بتانے ہیں تاکہ چراغ سے چراغ جلتا رہے۔''

''ضرور، ضرور انکل! میں تو آج کی اس پارٹی کی ایک روداد

لکھ کر اخبار میں بچوں کے صفحہ کے لیے بھیج دوں گا تاکہ سینکڑوں بچوں کی نظر سے یہ سنہری اصول گزر جائیں۔"

یہ محمد علی تھا جو اُردو کے مضمون میں سب سے زیادہ نمبر لیتا تھا۔ اسے لکھنے لکھانے کا خاص شوق تھا۔

"ہاں بیٹے! یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ ایک اچھی تقریر سے کہیں زیادہ اثر انگیز...... کہیں زیادہ دیر پا اثرات رکھنے والی ایک اچھی تحریر ہوتی ہے۔" ابو جان گلا صاف کرنے کے لیے تھوڑا کھنکارے پھر کہنے لگے۔ "ہاں تو بچو! گفتگو کے آداب میں سب سے پہلی چیز سچ بولنا ہے۔

سچ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ بات نرمی سے مسکراتے ہوئے درمیانی آواز میں کریں نہ تو چیخ پکار کریں اور نہ ہی اتنی آہستہ کہ سننے والا سن ہی نہ سکے۔

سچ کے ساتھ ساتھ انصاف کرنا سیکھیے۔ کوئی خواہ کتنا ہی عزیز کیوں نہ ہو، ہمیشہ انصاف کی بات کریں۔ چاہے اپنا یا کسی کا نقصان بھی ہو رہا ہو۔

اگر کوئی بات طول پکڑ جائے اور بحث کا رنگ اختیار کرے تو وہاں سے خاموشی سے اٹھ جائیے۔

بات مختصر، مدلل اور عقل مندی کی کریں۔ اِدھر اُدھر کی ہانکنے سے آپ اپنا اور دوسرے کا وقت ضائع کرتے ہیں۔

بڑوں کے ساتھ ادب اور چھوٹوں کے ساتھ پیار سے بات کریں۔

زیادہ بولنے کی بجائے زیادہ سننے والا بنیں۔ بعض لوگ اپنی ہی باتیں کرتے چلے جاتے ہیں دوسروں کو بولنے کا موقع نہیں دیتے۔ یہ نہایت نامناسب عادت ہے۔

جب دو آدمی آپس میں بات چیت کر رہے ہوں تو اجازت لے کر ان سے بات کریں۔ خواہ مخواہ ان میں دخل اندازی نہ کریں۔

اگر کوئی آپ کو راز کی بات بتائے تو اس راز کو اپنے سینے میں محفوظ کر لیں۔ کسی دوسرے کو نہ بتائیں۔

کوئی آپ سے مشورہ مانگے تو خلوص نیت سے، اپنی سوچ اور عقل کے مطابق بہترین مشورہ دیں۔

بات سیدھی اور سچی کھری کریں۔ غیبت اور چغلی کے قریب بھی نہ پھٹکیں۔ اسی طرح کسی کی نقل نہ اتاریں۔ کسی کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں۔

اگر کوئی شخص آپ کو ایسی بات یا کوئی واقعہ سنا رہا ہے جو پہلے آپ کے علم میں ہے تو اسے ہرگز نہ کہیے کہ ہاں میں جانتا ہوں اس سے وہ شرمندہ ہو جائے گا۔

اپنے آپ کو دوسروں پر حاوی کرنے کوشش ہرگز نہ کریں۔ نہ خود کو دوسروں پر فوقیت دلوانے کا رویہ اختیار کریں۔ جتنی عاجزی ہو گی اللہ تعالیٰ اس کے رتبے اتنا ہی بلند کر دیتا ہے۔

بات، بات پر قسمیں نہ کھائیں۔ آپ کا کردار اور آپ کی سچائی ہی آپ کی بات کو صحیح طرح سمجھانے کے لیے کافی ہے۔

گفتگو کرتے وقت مسکراہٹ کو اپنے چہرے کا لازمی حصہ بنائے رکھیے۔ مخاطب کی بات غور سے سنیے یہ نہ ہو کہ وہ تو بات کر رہا ہے اور آپ کی توجہ کسی اور طرف ہے۔

آئندہ کرنے والے ہر کام کے ساتھ ان شاء اللہ ضرور لگایئے۔

ملتے وقت مسنون طریقے سے السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کہیے۔ اس طرح آپ تیس نیکیوں کے حق دار بن جائیں گے۔ اسی طرح جدا ہوتے وقت بھی دعائیہ الفاظ کہیے جیسے اللہ حافظ، فی امان اللہ وغیرہ۔

تو پیارے بچو! یہ آدابِ گفتگو ہیں۔ ان پر عمل کر لیں تو آپ نہایت شائستہ، تمیز دار اور مہذب بچے کہلائیں گے۔ ہر کوئی آپ کی مثال دیا کرے گا۔"

"ان شاء اللہ، ان شاء اللہ۔" سب نے بہ یک آواز ہو کر کہا۔ فاروق قسمیہ کی آواز سب سے نمایاں تھی۔ "اور ہاں بچو! جاتے جاتے ایک خوب صورت سا شعر بھی سنتے جایئے۔ یہ شعر یاد آتے ہی آپ کو ہماری آج کی یہ محفل یاد آ جایا کرے گی۔

ایسے ملا کرو کہ لوگ آرزو کریں
ایسا چلن چلو کہ زمانہ مثال دے"

مدیر تعلیم و تربیت! السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟

فروری کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ پردیسی، میری ماں میری جنت، میلو کا جادو، انار کا درخت اور جگو شاہ کا بھوت بہت اچھی اور سبق آموز کہانیاں تھیں۔
(صداقت علی، لاہور)

اس ماہ مزے مزے کی کہانیاں پڑھیں۔ بہت اچھا لگا۔ پردیسی، میری ماں میری جنت، انار کا درخت اور جگو شاہ کا بھوت زبردست تھیں۔
(عفان عثمان، لاہور)

تعلیم و تربیت میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ میرا خط ضرور شامل کریں۔ فروری کا شمارہ لا جواب تھا۔ کہانیاں فضول خرچی اور میری ماں میری جنت اچھی تھیں۔ نیا ناول بھی ضرور شامل کریں۔
(ثمن زہرہ، اسلام آباد)

فروری کا شمارہ زبردست تھا۔ تعلیم و تربیت پڑھ کر میرے علم میں اضافہ ہوا۔ کھیل دس منٹ کا میرا پسندیدہ سلسلہ ہے۔
(اسامہ ظفر راجہ، سرائے عالم گیر)

فروری کا شمارہ زبردست تھا۔ سوری سر!، میلو کا جادو عمدہ تحریریں تھیں۔
(زرقا وقار، لاہور کینٹ)

فروری کے شمارے کا سرورق زبردست تھا۔ کہانیاں بھی بہترین تھیں۔ پہلی بار خط لکھ رہا ہوں۔
(ذیشان محمود، اسلام آباد)

فروری کا شمارہ زبردست تھا۔ پردیسی، جرم کبھی پھلتا نہیں، جگو شاہ کا بھوت، انار کا درخت اور دو انڈوں کی قیمت بہترین کہانیاں تھیں۔
(عزیز احمد، نوشہرہ)

تعلیم و تربیت کا سرورق یوم یک جہتی کشمیر کے حوالے سے زبردست لگا۔ قند مکرر میں بڑے ادیبوں کی کہانیاں شامل کرنے کا سلسلہ بہت اچھا ہے۔
(فرحت النساء، بورے والا)

فروری کا شمارہ ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ کہانیاں سبق آموز تھیں۔
(حافظ محمد الیاس، خوشاب)

فروری کے شمارے کا سرورق زبردست تھا۔ (علی شہروز، فیصل آباد)

فروری کا شمارہ پڑھا۔ سرورق ایسا دل کش اور رعنا تھا کہ دیکھتا ہی رہا گیا۔ حمد اور نعت سے ایمان تازہ ہو گیا۔ کہانیاں سوری سر، پردیسی، جرم کبھی پھلتا نہیں، جگو شاہ کا بھوت، دو انڈوں کی قیمت پسند آئیں۔
(محمد محسن علی قادری، کاموکی)

اس ماہ کا رسالہ بہت پسند آیا۔ اتنا کہ اسے چھوڑ کر کوئی اور کام کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔
(تاب زینت، جہلم)

☆ پسندیدگی کا شکریہ۔ آپ کہانیاں لکھ کر بھیجیں۔

انار کا درخت، مسٹر لال بیگ اور احمد کا سچا وعدہ اچھی کہانیاں تھیں۔
(محمد حذیفہ انوار، جھنگ)

تعلیم و تربیت بہت اچھا رسالہ ہے۔ تمام کہانیاں لاجواب تھیں۔
(نمرہ نوید، لاہور)

میں تعلیم و تربیت کی نئی قاری ہوں۔ مجھے آپ کا رسالہ دل و جان سے عزیز ہے۔ دو انڈوں کی قیمت، آپ بھی لکھیے اور اوجھل خاکے بہت پسند آئے۔
(شیزہ جاوید، محمد یحییٰ ظفر، مومنہ ظفر، مریم ظفر)

تعلیم و تربیت واقعی بچوں کا محبوب رسالہ ہے۔ یہ مجھے بہت پسند ہے۔
(یوسف جمیل لغاری، میرپور)

تعلیم و تربیت میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ جو ہر بچہ پڑھنا چاہتا ہے وہ سب کچھ اس میں ہے۔
(کنزیٰ نوید، لاہور)

فروری کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ کہانیاں فضول خرچی، میری ماں، میری جنت، انار کا درخت بہت اچھی تھیں۔ "بچے کی دعا" پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ مجھے کہانیاں لکھنے کا شوق ہے۔
(بلال احمد، حسن ابدال)

☆ **پسندیدگی کا شکریہ۔ کہانی لکھ کر بھیجیں۔ معیاری ہوئی تو ضرور شائع کریں گے۔**

کہانیاں جرم کبھی پھلتا نہیں اور فضول خرچی پسند آئیں۔ میں تعلیم و تربیت کا سالانہ خریدار بننا چاہتا ہوں؟
(محمد زبیر مقصود، لاہور)

فروری کا شمارہ سپرہٹ رہا۔ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ خاص طور پر پردیسی، جرم کبھی پھلتا نہیں، سوری سر اور انار کا درخت۔

(خرم اقبال، ساہی وال)

فروری کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ مسٹر لال بیگ، میلو کا جادو، میری ماں میری جنت اور انار کا درخت مزے دار کہانیاں تھیں۔ کیا میں کہانی بھیج سکتی ہوں؟ (لیقہ رؤف، لاہور)

☆ پسند کرنے کا شکریہ۔ آپ کہانی بھیج سکتی ہیں۔

میں آپ کا رسالہ بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ یہ ایک اصلاحی رسالہ ہے، جس میں جنوں، پریوں کی کہانیاں نہیں ہوتیں۔ میں آپ کو کہانیاں بھیج رہی ہوں۔ (انعم سلیم، راول پنڈی)

☆ پسند کرنے کا شکریہ۔ آپ کی کہانیاں مل گئی ہیں۔ معیاری ہوئیں تو ضرور شائع ہوں گی۔

میں تعلیم و تربیت کا سالانہ خریدار بننا چاہتا ہوں۔

(آصف امیر خان، میاں والی)

☆ آپ سالانہ خریدار بننے کے لیے500 روپے منی آرڈر بہ ذریعہ رجسٹری بھیجیں۔

میگزین ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ پیارے اللہ کے پیارے نام اچھا سلسلہ ہے۔ اسے جاری رکھیے گا۔ میری ماں میری جنت، دو انڈوں کی قیمت، جگو شاہ کا بھوت اور انار کا درخت اچھی کہانیاں تھیں۔ (اُروی معطر بیگ، گجرات)

میں پہلی مرتبہ شرکت کر رہی ہوں۔ مجھے تعلیم و تربیت بہت ہی پیارا لگتا ہے۔ میری ماں میری جنت، مسٹر لال بیگ، احمد کا سچا وعدہ، چچا تیز گام بہت لاجواب کہانیاں تھیں۔ سارا رسالہ ہی شان دار تھا۔ (سائرہ رمضان، ٹوبہ ٹیک سنگھ)

☆ پسند کرنے کا شکریہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو امتحان میں کام یاب کرے۔ امین۔

تمام قارئین کو میری طرف سے سلام۔ فروری کا شمارہ بہترین رہا۔ میں 4 سال سے آپ کا رسالہ پڑھ رہا ہوں۔ کہانیاں میری ماں میری جنت اور دو انڈوں کی قیمت بہت پسند آئیں۔

(محمد علی بلوچ، سرگودھا)

فروری کا شمارہ ملا۔ بہت پسند آیا۔ میری ماں میری جنت اور فضول خرچی اچھی کہانیاں تھیں۔ (وجیہہ بابر شفیق، بھلوال)

فروری کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ کہانیاں پردیسی، احمد کا سچا وعدہ اور جگو شاہ کا بھوت اچھی تھیں۔ (عائشہ رضا، کراچی)

میں آپ سے ناراض ہوں آپ میرا خط شائع نہیں کرتے۔ فروری کے شمارے میں تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ پیارے اللہ کے پیارے نام میرے ابو کو بھی بہت پسند آئے ہیں۔ (محمد احسن مقصود، دیپال پور)

☆ آپ کا خط شامل کر لیا ہے۔ اب ناراضگی ختم کر دیں۔

فروری کا شمارہ زبردست تھا۔ جرم کبھی پھلتا نہیں، فضول خرچی، دو انڈوں کی قیمت اور احمد کا سچا وعدہ بہترین کہانیاں تھیں۔

(کنزیٰ جدون، ایبٹ آباد)

فروری کا شمارہ کافی پرکشش اور اچھا تھا۔ میرا تعلیم و تربیت کا ساتھ کافی پرانا ہے لیکن خط پہلی بار لکھ رہا ہوں۔

(حافظ انس محمود الیاس، قلعہ دیدار سنگھ)

فروری کے شمارے میں جگو شاہ کا بھوت، دو انڈوں کی قیمت اور میری ماں میری جنت کہانیاں بہت پسند آئیں۔ تعلیم و تربیت پڑھ کر بہت مزا آتا ہے۔ (فائقہ نوید ملک، لاہور)

فروری کا شمارہ لاجواب تھا۔ تمام تحریریں زبردست تھیں۔ تمام سلسلے بھی زبردست ہیں۔ انہیں جاری رکھیے گا۔ یہ ایک مکمل اصلاحی رسالہ ہے جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔

(سرمد شمریز خان، راولاکوٹ)

میں کئی سالوں سے تعلیم و تربیت پڑھ رہا ہوں۔ تمام انعامی سلسلے بہت دلچسپ ہیں۔ پردیسی کہانی کشمیر پر بالکل منفرد انداز سے لکھی گئی ہے۔ بہت اچھا لگا۔ (احتشام الحق بٹ، لاہور)

میں تعلیم و تربیت گزشتہ 5 سال سے پڑھ رہا ہوں۔ فروری کا شمارہ زبردست تھا۔ سرورق اچھا تھا۔ کہانیاں پردیسی، مسٹر لال بیگ اور انار کا درخت اچھی تھیں۔ (محمد سعد خان، نوشہرہ)

فروری کا شمارہ میں حمد و نعت، درس قرآن و حدیث بہت اچھا سلسلہ ہے۔ پردیسی، جرم کبھی پھلتا نہیں، سوری سر، فضول خرچی اور تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ میری دعا ہے کہ تعلیم و تربیت دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے۔ آمین (مہرین مسکان، لیہ)

☆☆☆

قاسم ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ جماعت کے دوسرے بچوں کی نسبت قاسم کا قد چھوٹا تھا۔ سبھی اس کا مذاق اُڑاتے تھے۔ بچوں نے اس کا نام ''چھوٹو'' رکھ دیا تھا۔ قاسم بہت ذہین تھا اور پڑھائی میں بھی اچھا تھا۔ بچے جب اس کا مذاق اُڑاتے تو اسے بہت دکھ ہوتا۔ اگر وہ انہیں منع کرتا تو بچے مزید اسے چڑاتے تو وہ خاموش ہو جاتا۔ اس کے چھوٹے قد نے اس میں احساس کمتری پیدا کر دیا تھا۔

کھیل کے میدان میں سب بچے کھیل رہے تھے۔ ایک بچے نے قاسم کو ''چھوٹو'' کہہ کر پکارا۔ استاد صاحب قریب ہی بیٹھے ہوئے بچوں کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں یہ سب اچھا نہیں لگا۔ انہوں نے سب بچوں کو اپنے پاس بلایا اور سمجھایا۔ ''بچو! کسی کا مذاق اُڑانا بہت بُری بات ہے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے ایمان والو! لوگ ایک دوسرے کی ہنسی نہ اُڑائیں۔ شاید وہ ان سے (یعنی ہنسی اُڑانے والوں سے) بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کی (ہنسی اُڑائیں) شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور ایک دوسرے کو چڑانے کے لیے بُرے نام مت رکھو۔''

پیارے بچو! آپ بھی عہد کریں کہ کسی کا مذاق نہیں اُڑائیں گے اور بُرے بُرے نام نہیں رکھیں گے۔ جو بچے ایسا کرنے کا عہد کرتے ہیں ان کے نام آئندہ مہینے شائع کیے جائیں گے۔ اس عہد نامے میں شامل ہونے کے لیے کوپن ارسال کرنا ضروری ہے۔

شاباش

ان بچوں نے عہد کیا کہ وہ بھی ٹریفک کے اصولوں کی پابندی کریں گے۔

کشف ارشد، محمد شیراز، گوجرانوالہ۔ حافظ محمد الیاس، حافظ محمد بلال، نور پور تھل۔ سعد سہیل، جہلم۔ نعمان گلفام، سرائے عالمگیر۔ قمر ناز دہلوی، کراچی۔ محمد احسن مقصود، حویلی لکھا۔ محمد عزیز خان، ٹیکسلا کینٹ۔ فاطمہ بیگ، لاہور۔ محمد نعیم امین، لاہور۔ ثمرن عظیم، لاہور۔ زارا وہاب، اسلام آباد۔ محمد زبیر، لاہور۔ محمد آصف جمال، لاہور۔ محمد شیراز کامران، راولپنڈی۔ طلحہ تنویر، نوشہرہ۔ محمد حامد رضا قادری، محمد فریاد علی قادری، کامونکی۔ محمد شہزاد حیدر شیخ، لاہور۔ محمد عاطف عارف، لاہور۔ عمر امتیاز، لالہ موسیٰ۔ شیزہ جاوید، گوجرانوالہ۔ محمد سمیع اللہ صادق، گوجرانوالہ۔ اقصیٰ جبین، واہ کینٹ۔ محمد حمزہ مقصود، لاہور۔ حفصہ فرقان، لاہور۔ یوسف جمیل لغاری، میر پور آزاد کشمیر۔ احمد حسن فاروق، واہ کینٹ۔ علیشہ محمود، لاہور۔ تزئین احمد طارق، فیصل آباد۔ سعدیہ خان، راول پنڈی۔

میں ڈاکٹر نہیں بنوں گا......

رانا عمران

صوبے بھر میں میٹرک کے امتحان میں جب اس نے پہلی پوزیشن لی تو اس کے والدین کا سر فخر سے بلند ہوگیا۔ وزیرِاعلیٰ نے اسے گولڈ میڈل پہنایا۔ اخبارات نے اس کی تصاویر کھینچیں۔ کیمروں کی فلیش اور کٹ کٹ کی آوازوں نے ماحول کو پُرجوش بنا دیا تھا۔ اس کا چہرہ خوشی کی تمتماہٹ سے سرخ ہو رہا تھا۔ وزیرِاعلیٰ سے مصافحہ کرتے اور میڈل پہنتے ہوئے اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ سامنے کرسیوں پر بیٹھے اس کے والدین اور چھوٹا بھائی اسجد بھی بہت خوش تھے۔

''آپ نے میٹرک میں پوزیشن تو حاصل کر لی ہے اب آپ کا آگے مستقبل میں کیا ارادہ ہے؟'' ایک اخباری نمائندہ نے پوچھا۔

''میں ڈاکٹر بنوں گا اور انسانیت کی خدمت کروں گا۔'' اس نے ایک عزم سے جواب دیا۔

''یہ تو سبھی کہتے ہیں کہ ہم انسانیت کی خدمت کریں گے لیکن عملی زندگی میں آ کر قول و فعل میں تضاد نظر آتا ہے۔'' اخباری نمائندے نے مزید سوال کیا۔

''جی! وقت بتائے گا۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

وقت تیزی سے گزرنے لگا۔ ثوبان نے ایف ایس سی بھی اچھے نمبروں سے پاس کر لی تھی۔ باپ نے بہت محنت سے اس کو یہاں تک پہنچایا تھا۔ ثوبان کو اس بات کا شعوری طور پر احساس تھا۔ اسجد، اس کا چھوٹا بھائی بھی بہت ذہین اور حساس تھا۔ بڑے بھائی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اس نے آٹھویں جماعت میں وظیفہ حاصل کیا تھا۔ بُرا وقت بتا کر تھوڑی آتا ہے۔ خدا نے بُرا وقت لکھ دیا تھا۔ ثوبان کے والد ایک حادثے میں انتقال کر گئے تھے۔ اب سارا بوجھ اس کی ماں پر تھا۔ اس کی ماں نے محنت مزدوری شروع کر دی۔

وہ اب لوگوں کے کپڑے سینے لگی۔ ثوبان بھی ٹیوشن پڑھانے لگا تھا۔ رات کو پڑھائی کرتے ہوئے ساتھ ہی اس کو سلائی مشین کی کھڑ کھڑ سنائی دیتی۔ اس کی ماں مشین پر جھکی رات کی روشنی میں کپڑے سیتی رہتی تھی۔ ثوبان بہت حساس تھا۔ وہ اپنی ماں کو دیکھتا اور سوچتا ایک دن آئے گا جب میں اپنی ماں کو آرام دوں گا۔

''ماں جی! آپ کو اتنی محنت کرتے دیکھ کر میرا دل دکھتا ہے۔'' ثوبان نے کہا، ''نہ بیٹا! تو بے فکر ہو کر پڑھائی کر۔''

ماں نے جواب دیا۔

''ماں میں ڈاکٹر بن کر بہت سارا پیسہ کما کر تمہیں دوں گا۔''

ثوبان نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔
ماں اس کی بات پر ہنس پڑی لیکن یہ ایک لمحے کی بدقسمتی اور کوتاہی تھی کہ اس کی ماں کی زبان سے یہ نہ نکلا کہ نہیں بیٹا! دولت آنی جانی شے ہے، تیرا مقصد انسانی جان بچانا ہے جو ایک بار چلی جائے پھر واپس نہیں آتی۔
میڈیکل کی سخت پڑھائی نے ثوبان کو چڑچڑا کر دیا تھا۔ آج تو اس کی بدمزاجی عروج پر تھی۔ اس کی ماں صحن میں بیٹھی سلائی کر رہی تھی۔ ایک عورت کے بولنے کی آواز آئی تو وہ کمرے سے باہر نکل آیا۔
''بہن! تجھے کتنے دنوں سے کپڑے دیے ہیں ابھی تک کیوں نہیں سیے؟'' اس عورت کا لہجہ بہت سخت تھا۔
''دراصل مجھے کل بہت بخار تھا اس لیے نہیں سلے۔'' اس کی ماں نے دبے دبے سے لہجے میں جواب دیا۔
''اب تمہارا بخار کتنے دن چلے گا۔ مجھے تو آج شام کو کپڑے چاہئیں۔'' اس عورت نے حتمی لہجے میں کہا۔
''اچھا بہن! آج شام کو تمہیں مل جائیں گے۔'' ثوبان یہ سب دیکھ رہا تھا اور غصے سے کمرے سے نکلا۔
''امی جان! مجھ سے آپ کی بے عزتی نہیں دیکھی جاتی۔ آپ نے اسے بڑے آرام سے جواب دے دیا۔'' ثوبان نے شکایتی لہجے میں کہا۔
''بیٹا! ہم مجبور ہیں کمائیں گے نہیں تو کھائیں گے کہاں سے......؟''
''ماں جی! بس انتظار کریں میں آپ کے قدموں میں دولت کے ڈھیر لگا دوں گا۔''
ماں ہنس پڑی۔ ''اچھا! چل جا...... اب'' یہی ایک لمحہ تربیت کا تھا، جس نے اسے راہ ہدایت پر ڈالنا تھا۔ یہ لمحہ ماں کی مسکراہٹ کی نذر ہو گیا۔ کاش ماں کہہ دیتی تیرا مقصد دنیا حاصل کرنا نہیں بلکہ آخرت کے لیے نیکی کمانا ہے، تو نے مسیحا بننا ہے دولت مند نہیں بننا۔
اسجد، ماں اور بھائی کو محنت کرتے دیکھتا اور خود بھی پڑھائی پر زیادہ توجہ دینے لگتا۔
آج مالک مکان نے دروازے پر دستک دی۔
''جی کون؟'' ثوبان دروازہ کھولنے کے لیے اٹھا۔
''دروازہ کھولو، میں مالک مکان ہوں۔''
''جی! السلام علیکم!'' ثوبان نے ادب سے سلام کیا۔
''تمہاری والدہ کہاں ہیں؟'' مالک مکان نے پوچھا۔
''جی گھر پر ہی ہیں ابھی بلاتا ہوں۔'' ثوبان یہ کہہ کر ماں کو بلانے اندر چلا گیا۔
اس کی ماں دروازے پر آئی۔
''جی بھائی صاحب......!'' اس کی ماں نے پوچھا۔
''بہن! پوچھتی کیا ہوا پچھلے مہینے کا کرایہ اور اس مہینے کا کرایہ دینا ہے تمہیں......''
''جی بھائی صاحب یاد ہے مجھے لیکن......'' لیکن ویکن کچھ نہیں بس کرایہ چاہیے۔'' مالک مکان نے زور دے کر کہا۔
''دراصل مجھے ثوبان کی داخلے کی فیس دینی ہے اس لیے آپ کچھ دن ٹھہر جائیں۔'' اس کی ماں نے منت کی۔
''بھاڑ میں گئی تم لوگوں کی پڑھائی۔ ہاتھ میں ٹکا نہیں اور چلے ہیں ڈاکٹر بننے۔'' مالک مکان نے طنز کیا۔
''بھائی صاحب!......''
''بس بس...... مجھے کرایہ چاہیے زیادہ باتیں نہ بناؤ۔'' مالک مکان نے درشتی سے کہا۔
اس کی ماں ایک دم دروازہ بند کر کے پلٹی تو پیچھے ثوبان کھڑا تھا۔
''ماں جی اتنی ذلالت۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔''
ثوبان بہت غصے میں تھا اور دروازہ کھول کر مالک مکان کے پیچھے جانے لگا۔ ماں نے اسے ہاتھ پکڑ کر اندر کر لیا۔
''بیٹا! لڑائی مت کرو۔ میں کرایہ جیسے تیسے ہوگا، دے دوں گی۔ تو فکر نہ کر۔ کمرے میں جا۔'' بس یہی ایک لمحہ تھا جو ضائع ہو گیا۔ یہی لمحہ بدقسمت لمحہ بن گیا۔ کاش! ماں کہہ دیتی بیٹا صبر کر مصیبت کے دن کٹ ہی جائیں گے۔ تو نے ڈاکٹر بن کر انسانیت کی خدمت کرنی ہے لیکن یہ قیمتی وقت ریت کی طرح ہاتھ سے پھسل گیا۔
یہ میڈیکل میں اس کا آخری سال تھا۔ نئی امنگیں نیا جوش اور ولولے اس کے سینے میں موجزن تھے۔ غربت کی بے رنگی، دولت کی

رنگینی اور چمک دمک کا انتظار کر رہی تھی۔ مفلسی کی اذیت اب دولت کی لذت اور عیش کی منتظر تھی۔

کمرے میں ماں جی اور خالہ کے درمیان گرما گرم بحث جاری تھی۔ ''سلمٰی نادیہ اب جوان ہوگئی ہے اس کے بہت سے رشتے آ رہے ہیں۔ میں کتنا انتظار کروں؟'' خالہ جان نے ماں جی سے کہا۔

''نسرین! اب ثوبان کا ایک سال ہی تو رہ گیا ہے۔ انتظار کر لو تھوڑا سا۔'' ماں جی نے اسے بہلایا۔

''نہیں سلمٰی! ابھی ثوبان کو پاؤں پر کھڑا ہونے میں بہت وقت لگے گا اور پھر ڈاکٹر بن بھی گیا تو کیا ہو گا نوکری نہیں ملے گی۔ تم دیکھتی نہیں کہ آئے دن اسپتالوں میں ڈاکٹر ہڑتالیں کر رہے ہیں۔'' نسرین نے جواب دیا۔

''اب ضروری تو نہیں ایسا ہو۔ یہ تو مقدر کی بات ہے۔'' سلمٰی نے کہا۔ نسرین نے منگنی توڑ دی۔ ثوبان یہ سب برداشت نہ کر سکا اور ماں سے ناراض ہونے لگا۔ ''ماں میں غریب ہوں اس لیے؟''

یہی لمحہ قیمتی لمحہ تھا جو توکل کی راہیں کھول سکتا تھا۔ کاش ماں کہہ دیتی کہ غریب کی دولت دل کا سکون ہوتا ہے اور دل کا سکون دوسروں کی خدمت اور ایثار میں ہے۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔

اسجد اب ایف ایس سی کے پہلے سال میں تھا۔ ثوبان نے ایم بی بی ایس کر لیا تھا۔ اسے ہاؤس جاب بھی مل گیا تھا۔ ایک اسپتال میں اس کی ڈیوٹی لگ گئی۔ ان دنوں ڈاکٹرز کی ہڑتالیں زوروں پر تھی۔ ڈاکٹرز اپنی ڈیوٹی پر نہ تھے۔ اسپتالوں میں توڑ پھوڑ ہو رہی تھی۔ سڑکوں پر ڈاکٹروں کا احتجاج زوروں پر تھا۔ حکومت اور ڈاکٹروں کے مذاکرات ناکام ہو چکے تھے۔ اسپتالوں میں مریضوں کے لواحقین بے یارو مددگار تھے۔ مریض بیماری کی شدت سے تڑپ رہے تھے۔ کسی مریض کی موت ہو جاتی تو مریضوں کے لواحقین کی آہ و بکا سے اسپتال لرز اٹھتا۔ ثوبان ہڑتال میں سب سے آگے تھا۔ وہ ان ڈاکٹروں کا لیڈر تھا۔ وہ انسانیت کی خدمت کا عہد وفا نہیں کر سکا۔ انسانیت کی خدمت اور ایثار و قربانی کا جذبہ پانی کے بلبلے کی طرح بیٹھ چکا تھا۔ عہد و پیماں کے حلف نامے پرزے پرزے ہو کر ہوا میں تحلیل ہو چکے تھے۔

اسجد ان ہنگاموں اور قول و فعل کے تضاد کو دیکھتا۔ وہ اپنے بھائی کے رنگ بدلتے اور دہری شخصیت کو دیکھتا۔ انسانیت کی خدمت کے جذبے پر دولت اور آسائش کی چمک دمک حاوی تھی۔ بے حسی اور خود غرضی نے دلوں کو سخت کر دیا تھا۔ درندگی اور ذاتی اغراض نے ان کی آنکھوں کے سامنے پردہ تان دیا تھا اور وہ اپنے آپ سے کہتا: ''میں ڈاکٹر نہیں بنوں گا۔''

آج بھی اسپتالوں میں ہڑتال زوروں پر تھی۔ ہائی کورٹ کی وارننگ کے باوجود ڈاکٹر ہڑتال پر تھے۔ ہائی کورٹ کی رٹ بے اثر ہو چکی تھی۔

مریضوں کی بددعائیں اور آہیں ڈاکٹروں کے کانوں تک نہ پہنچ رہی تھیں۔ کیوں کہ ان کے کانوں میں بے حسی کا سیسہ پگھل کر ان کی سماعتوں کو بند کر چکا تھا۔ ہر آہ، منت اور فریاد بے اثر ثابت ہو رہی تھی۔

کہیں ماں بننے والی عورتیں درد کی شدت سے بے حال تھیں۔ کہیں ایمرجنسی میں مریض زخموں سے چور کراہ رہے تھے، کہیں آپریشن تھیٹر میں مریض جان کی بازی ہار رہے تھے۔

آج سینئر ڈاکٹروں کی تذلیل ہوئی ہے۔ ادب و آداب اور استاد کی عزت و احترام کے پرخچے اڑ رہے تھے۔

اسجد کی والدہ دل کی مریضہ تھی۔ آج ان کی طبیعت بگڑ رہی تھی اسجد بہت گھبرایا ہوا تھا۔ اس نے ثوبان کو بار بار کال کی لیکن وہ کال کاٹ دیتا تھا۔ ثوبان سڑک پر ٹریفک کو بلاک کر کے احتجاج کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں مطالبات کے پوسٹر تھے۔ اس کے پیچھے ڈاکٹروں کا ہجوم تھا۔

اسجد ٹی وی کی سکرین پر یہ ہنگامے دیکھ چکا تھا۔ اس نے سوچا ان ڈاکٹروں نے انسانیت کی خدمت کرنے کا عہد کیا ہے۔ ان کا اولین فرض جان بچانا ہے باقی کسی چیز کی اہمیت نہیں۔ اس نے ایک رسالے میں واقعہ پڑھا تھا کہ انگلستان میں ڈاکٹروں نے اپنے مطالبات منوانے تھے، انہوں نے احتجاج کا ایک ایسا طریقہ اختیار کیا کہ ڈاکٹر اپنے فرائض بھی پورے کرتے رہے اور ہڑتال بھی جاری رہی۔ انہوں نے ڈاک کے ذریعے ہڑتال کی۔ ڈاک کے خطوں کے ذریعے ڈاکٹروں کے مطالبات اور احتجاج پیش کرتے۔ آخر کار حکومت کو ڈاکٹروں کے مطالبات ماننے پڑے اور کوئی انسانی

لی اور اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔ وہ بلک بلک کر رونے لگا۔ وہ اپنا سر ماں کے بیڈ کی پائنتی پر زور زور سے مارنے لگا لیکن کیا اس کی ماں کو زندگی دوبارہ مل سکتی تھی۔ نہیں۔ اس کی ماں اب اسے کبھی نظر نہیں آئے گی جو اس کا کل اثاثہ تھی دنیا کی دولت اس کے سامنے ہیچ تھی۔ ڈاکٹروں کی ہڑتال نے اس کی ماں کو چھین لیا تھا۔

وہ وحشت زدہ ہو کر باہر کی طرف بھاگا۔ اچانک اسے ثوبان نظر آیا۔ وہ اسے دیکھ کر اس سے لپٹ گیا اور چیخ چیخ کر رونے لگا۔ ''بھائی ماں اب نہیں آئے گی۔'' ''کیا ہوا ماں کو......؟'' ثوبان بوکھلایا۔
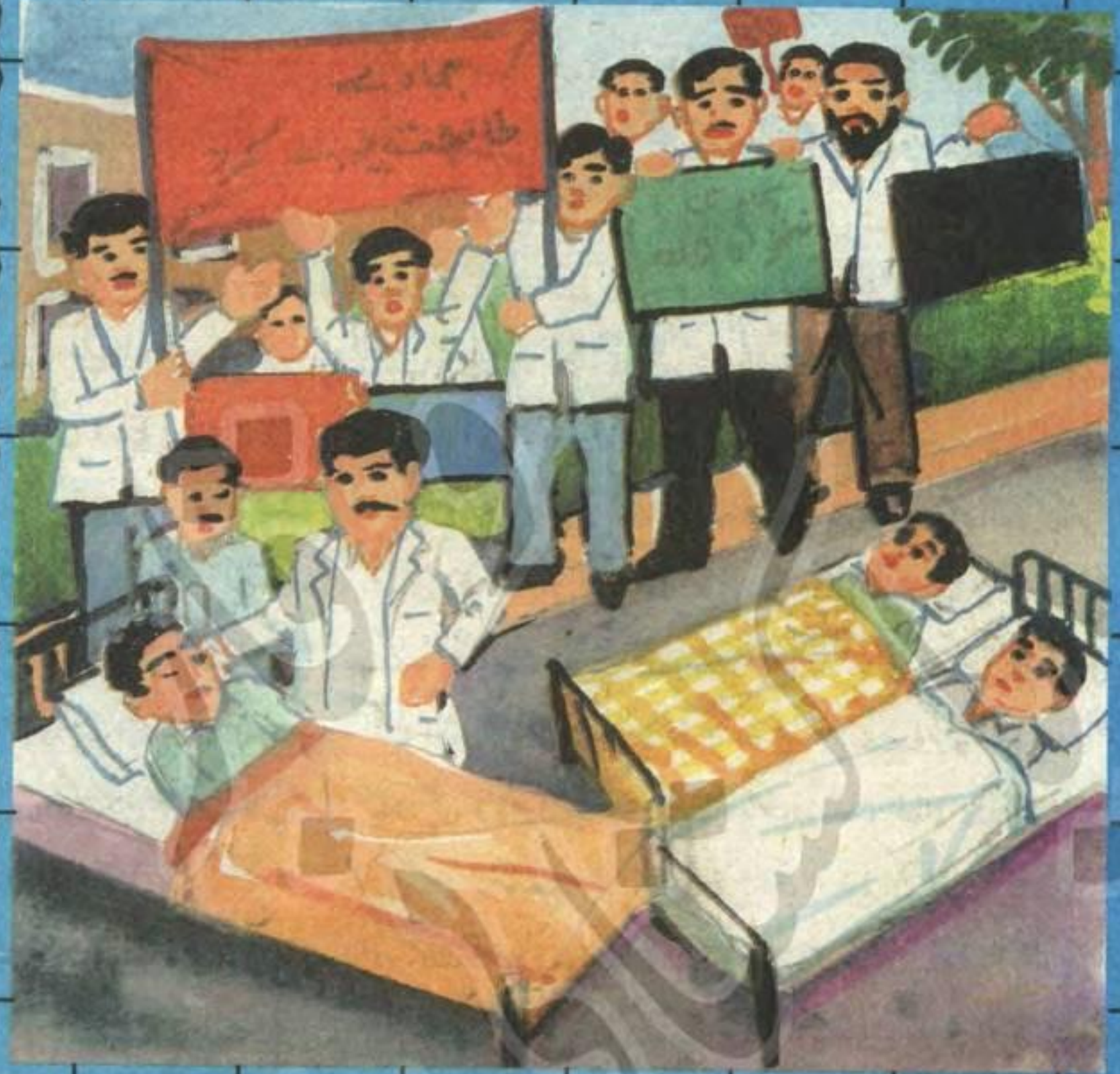
''بھائی ماں کو ان ڈاکٹروں نے مار ڈالا۔ ایک ڈاکٹر نے ماں کی ڈرپ اتار دی اور دوسرے مریضوں کو بھی دھکے دے کر نکال دیا۔'' اسجد بلبلا کر بولا۔

''او میرے خدا!'' ثوبان تیزی سے اندر کی طرف بھاگا۔ تمام ڈاکٹر دوبارہ ہڑتال کے لیے سڑک پر جمع ہو چکے تھے۔

''اس کی ماں ابدی نیند سو چکی تھی۔ اسے اب دولت کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اب بول نہیں سکتی تھی۔ وہ تب بھی نہیں بولی جب ثوبان کو راہ ہدایت پر ڈالنا تھا۔ وہ اس وقت بھی نہیں بولی تھی جب توکل اور ایثار کا بیج بونے کا وقت تھا۔ ان ضائع ہونے والے لمحوں نے اس کی زندگی ختم کر دی تھی اور ثوبان کی تربیت کو گرہن لگا دیا تھا۔

اسی وقت ثوبان کا کولیگ ڈاکٹر اس کو بلانے آیا کہ وہ احتجاج میں شریک ہونے کے لیے آ جائے، وہ ان کا لیڈر جو تھا۔ ثوبان نے سکتے کے عالم میں اسے کہا کہ میں ابھی آتا ہوں۔

اس نے بھائی کو ساتھ لیا اور احتجاج کے لیے چل پڑا۔ سڑک

جان بھی ضائع نہیں ہوئی۔ یہ ہے ان کافروں کا شعار جو اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ تھے لیکن ہم مسلمان اس تعلیم سے عاری ہیں۔'' اے میرے خدا یہ سب کیا ہے؟'' اسجد سوچنے لگتا۔

اسجد نے اپنے ہمسائے کو بلایا اور وہ اس کی ماں کو اسپتال لے گئے۔ انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں انہیں داخل کر لیا گیا۔ اس کی ماں کو ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ اچانک اسپتال میں شور اٹھا۔ کچھ ڈاکٹر مختلف وارڈوں میں گھسے ہوئے تھے۔ وہ مریضوں کو دھکے دے کر کمرے سے باہر نکال رہے تھے۔ ایک ڈاکٹر اس کی ماں کی طرف بڑھا۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کی ماں کی ڈرپ اتار دی۔ اسجد اسے روکتا رہا لیکن وہ نہ مانا۔ اس کی ماں کا سانس اکھڑنے لگا۔ وہ کبھی ماں کی طرف دیکھتا کبھی ڈاکٹر کے ہاتھ میں پکڑی ڈرپ کی طرف اس کے دل کی دھڑکنیں رکنے لگیں، اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ اس کی ماں کی زندگی خطرے میں تھی۔ اس کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے۔ اس کی جنت منوں مٹی کے نیچے جانے والی تھی۔

اسپتال میں چیخ پکار ہونے لگی۔ اس کی ماں نے آخری سانس

پر ڈاکٹر اپنے مطالبات کے بینرز اٹھائے نعرہ بازی کر رہے تھے۔ ٹریفک رک گئی تھی۔ سڑک پر گاڑیوں کا ہجوم تھا۔

"ہمارے مطالبات پورے کرو"۔ ڈاکٹروں نے زوردار نعرہ لگایا۔

دوسری طرف ثوبان اور اسجد اپنی ماں کی لاش اٹھائے سڑک پر کھڑے تھے۔

"میری ماں کو واپس لاؤ۔" ثوبان نے جوابی نعرہ لگایا اور اس کی آواز رندھ گئی۔ رفتہ رفتہ دوسرے لواحقین اپنے پیاروں کی لاشوں کے ساتھ ثوبان کے ساتھ آ کھڑے ہوئے۔

ہماری تنخواہیں بڑھاؤ' ڈاکٹر چلائے۔

ڈاکٹروں نے جب ثوبان کو دیکھا تو وہ ہکا بکا رہ گئے۔ لاشیں ان ڈاکٹروں کے آگے پڑی تھیں۔ منظر بہت دردناک تھا۔

"تمہارے مطالبات تو پورے ہو جائیں گے لیکن تم میری ماں واپس لا سکتے ہو؟ میری ماں مجھے زندہ لوٹا دو۔"

ثوبان کی چیخوں اور آہوں نے وسب کو رُلا دیا۔ ڈاکٹروں کی صفوں میں کچھ شیطان گھس آئے تھے جو ان کو راہ ہدایت سے ہٹا رہے تھے۔

ثوبان، اسجد کے ساتھ گھر آیا اور ماں کی تدفین کی۔ قبر پر پھول ڈالتے ہوئے اس نے ماں کو پکارا "اے ماں، اگر تو مجھے کہہ دیتی کہ "بیٹا جب تو ڈاکٹر بنے گا تو انسانیت کی خدمت کرنا، ایثار ہی میں بھلائی ہے۔ انسانی جان کے سامنے کسی چیز کی اہمیت نہیں۔ اب دولت تو ہے میرے پاس لیکن تو میرے پاس نہیں۔" ثوبان اسجد کو جب ایم بی بی ایس میں داخلہ دلوانے لگا تو اسجد پھر غصے اور دکھ سے چلایا۔ "میں ڈاکٹر نہیں بنوں گا۔" ثوبان نے اسجد کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "نہیں! ایسا مت کہو، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں انسانیت کی خدمت کروں گا۔ اپنے مطالبات کے لیے کسی کی جان نہیں لوں گا۔ ہم اپنے جائز مطالبات منوائیں گے لیکن میرے پیارے وطن کے پیارے لوگ ہماری ہڑتال کی وجہ سے موت کے منہ میں نہیں جائیں گے۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ ہم اب ایثار اور قربانی کا مظاہرہ کریں گے، ہڑتال کے لیے احتجاج نہیں کریں گے۔" ثوبان نے اپنی تنخواہ سے ایک چھوٹی سی ڈسپنسری کھول لی۔ اب وہ وہاں مریضوں کا مفت علاج کرتا ہے۔ ڈسپنسری پر "سلمیٰ میموریل ڈسپنسری" لکھا ہے۔ وہ سادہ کھانا کھاتا ہے، عام سے کپڑے پہنتا ہے، موٹر سائیکل پر اسجد کو میڈیکل کالج چھوڑتا ہے اور بہت آسودہ حال ہے۔ اس کے پاس کاغذ کے نوٹ نہیں لیکن وہ انسانیت کی خدمت کے جذبے سے مالا مال ہے۔ اس کے ہاتھ خالی ہیں لیکن شفا کی برکت سے خالی نہیں ہیں۔ ماضی کے ہدایت کے قیمتی لمحے اللہ کی رضا سے ہدایت سے خالی نہیں رہے تھے۔ شیطان کو جب خدا نے دھتکارا تو اس نے عہد کیا کہ وہ خدا کے بندوں کو راہ ہدایت سے بھٹکائے گا لیکن اللہ کے نیک بندے شیطان کے بہکاوے میں ہرگز نہیں آتے۔

مینارِ پاکستان

مینارِ پاکستان، ایک عظیم قومی شاہکار ہے۔ یہ مینار لاہور میں بادشاہی مسجد کے قریب اقبال پارک کے مقام پر تعمیر کیا گیا جہاں "قرارداد پاکستان" منظور ہوئی۔ 23 مارچ 1960ء کو مغربی پاکستان کے گورنر پنجاب اختر حسین نے یادگار کا سنگ بنیاد رکھا۔ مرات خان نے موجودہ ڈیزائن بنایا۔

مینارِ پاکستان کی ڈیزائننگ پاکستان کے ابتدائی ادوار میں پیش آنے والی مشکلات کی عکاسی کرتی ہے۔ مثلاً مینار کی بنیاد کے نیچے مختلف تختے ہیں۔ پہلا تختہ بڑا کھردرا ہے۔ یہ اس بات کا غماز ہے کہ پاکستان آزادی کے وقت کس دگرگوں حالت میں تھا۔ دوسرے تختے میں پتھروں کو ترتیب و تراش دی گئی ہے۔ تیسرے تختے میں پتھروں میں ملائمت پیدا کی گئی ہے اور چوتھے تختے پر سنگ مرمر استعمال کیا گیا ہے۔ ان علامتوں سے اس امر کی ترجمانی ہوتی ہے کہ پاکستان نے کس طرح آہستہ آہستہ ترقی کے مدارج طے کیے ہیں۔ مینارِ پاکستان کی بلندی 196 فٹ 6 انچ ہے۔

مینارِ پاکستان کے احاطے میں پاکستان کے قومی ترانے کے خالق حفیظ جالندھری کا مزار بھی ہے۔ مینارِ پاکستان کی چوٹی سے نیچے کی طرف دیکھتے ہوئے دو چاند بھی نظر آتے ہیں، ایک سرخ اور دوسرا سبز۔ سرخ رنگ آزادی میں شہید ہونے والے جاں نثاروں کو ظاہر کرتا ہے جب کہ سبز رنگ "وکٹری آف موومنٹ" یعنی تحریک آزادی کی فتح کو ظاہر کرتا ہے۔ مینارِ پاکستان کے دس ستون قائداعظمؒ کے دس قریبی ساتھیوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ جنہوں نے تحریک آزادی میں ان کا ساتھ دیا۔ مینار پاکستان سے تین راستے اس کے اردگرد موجود باغ کی طرف نکلتے ہیں۔ جو بری، بحری اور فضائی فوجی طاقت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں کالے رنگ کا پتھر بھی استعمال کیا گیا ہے جو پاکستان میں رہنے والی اقلیتوں کی نشاندہی کرتا ہے۔

عمیر کے دادا پولیس کے ریٹائرڈ افسر تھے۔ وہ اکثر بچوں کو اپنی ملازمت کے دوران ہونے والے واقعات کے بارے میں بتاتے رہتے تھے۔ آج بھی انہوں نے قتل کی ایک واردات کے بارے میں بچوں کو ایک واقعہ سنایا۔

ایک آدمی اتوار کی صبح قتل ہو گیا۔ اس کی بیوی نے اسے کمرے میں مردہ پایا تو پولیس کو اطلاع دی۔ پولیس نے قاتل کو پکڑنے کے لیے سب سے پہلے گھر کے ملازمین سے پوچھ گچھ کی۔ پولیس انسپکٹر نے باری باری باورچی، خانسامہ، نوکر اور مالی کو بلایا۔ باورچی نے کہا کہ میں باورچی خانے میں ناشتا بنا رہا تھا جب قتل ہوا۔ خانسامہ نے کہا کہ میں میز لگا رہا تھا۔ مالی نے کہا کہ میں پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ نوکر نے کہا کہ میں ڈاک لے رہا تھا۔ بچو! آپ بتایئے ان میں سے قاتل کون تھا؟

فروری 2013ء میں شائع ہونے والے "کھوج لگائیے" کا صحیح جواب یہ ہے کہ ارم نے بکری کے گلے کی رسی کو کھونٹے سے نہیں باندھا تھا۔

درج ذیل بچے انعام کے حق دار قرار پائے ہیں۔

1۔ محمد حذیفہ انوار، جھنگ صدر
2۔ زین احمد قریشی، سانگلہ ہل
3۔ فاطمہ علوی، فیصل آباد
4۔ نور اعوان، لاہور کینٹ
5۔ اُسوہ ملک، کراچی

بلاعنوان

اس تصویر کا اچھا سا عنوان تجویز کیجیے اور 500 روپے کی کتب لیجیے۔ عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 10 مارچ 2013ء ہے۔
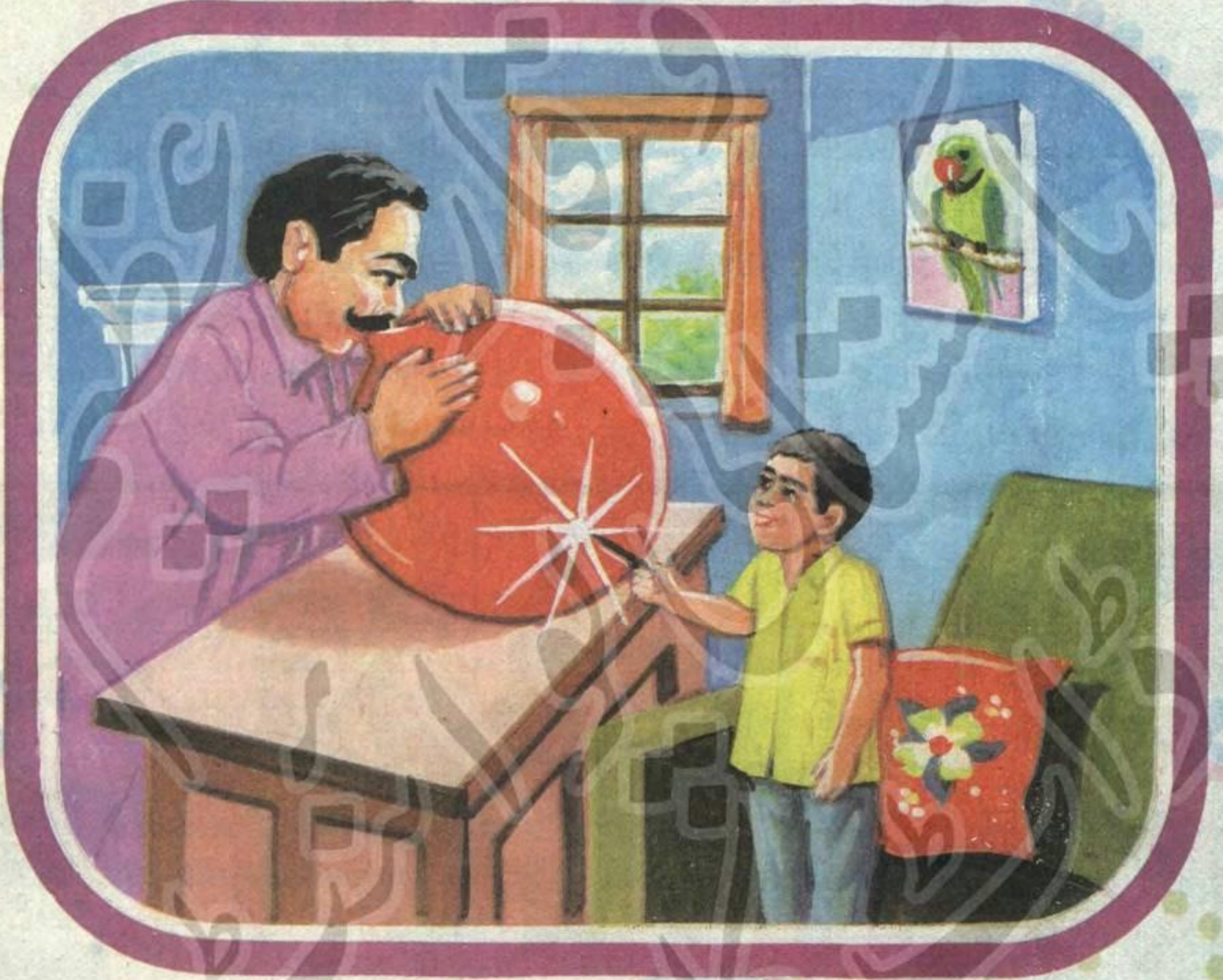
فروری 2013ء کے "بلاعنوان کارٹون" کے لیے جو عنوانات موصول ہوئے، اُن میں سے مجلسِ ادارت کو جو عنوانات پسند آئے، اُن عنوانات میں سے یہ ساتھی بہ ذریعہ قرعہ اندازی 500 روپے کی انعامی کتب کے حق دار قرار پائے۔

- ماحول دوست گاڑی۔ (حمزہ کامران، لاہور)
- سی این جی نایاب، گدھا گاڑی دستیاب۔ (خرم اقبال، ساہی وال)
- گدھا بنا کار، تیل اور سی این جی بے کار۔ (یوسف جمیل لغاری، میرپور)
- نہ قطار نہ انتظار، چلنے کو تیار۔ (عبدالمعید، میاں والی)
- بچت اور تفریح ساتھ ساتھ۔ (قمر ناز دہلوی، کراچی)

لائبہ ایوب، سرگودھا (پہلا انعام: 175 روپے کی کتب)

کنزا نوید، لاہور (دُوسرا انعام: 150 روپے کی کتب)

ثمرہ لطیف، رحیم یار خان (تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)

ثمین ہادیہ، اسلام آباد (چوتھا انعام: 100 روپے کی کتب)

عیشہ حیا، لاہور (پانچواں انعام: 90 روپے کی کتب)

اقصیٰ شہزادی، گجرات (چھٹا انعام: 75 روپے کی کتب)

کچھ اچھے مصوروں کے نام بہ ذریعہ قرعہ اندازی: شانزہ عادل، رحیم یار خان۔ نصیبہ ناز، ہری پور۔ طوبیٰ جعفر، رحیم یار خان۔ اُسوہ زینب، چکوال۔ ثانیہ جاوید، فیصل آباد۔ سعدیہ نورین، بھکر۔ نور الہدیٰ اکبر، پھلرواں۔ امامہ محسن، جہلم۔ عائشہ چوہدری، فیصل آباد۔ ماریہ کرن، جہلم۔ فاطمہ بیگ، لاہور۔ مریم مظہر، راول پنڈی۔ عمر رضا، سرائے عالمگیر۔ حسام عبداللہ، لاہور۔ فائقہ نوید ملک، لاہور۔ عبداللہ ملک، لاہور۔ محمد فریاد علی قادری، کاموکی۔ محمد یوسف، ڈیرہ غازی خان۔ شہزادی خدیجہ، لاہور۔ عائلہ راشد، کوہاٹ۔ نراوش جدون، ایبٹ آباد۔ ثمرن عظیم، اسلام آباد۔ نور العین، کوہاٹ۔ محمد ابوبکر، راول پنڈی۔ اسد علی انصاری، ملتان۔ محمد عاطف ملک، لاہور۔ منیبہ ناز، ہری پور۔ مآب زینت، جہلم۔ عروسہ عرفان، کوہاٹ۔ محمد طیب عارف، شیخوپورہ۔ رمیشہ اعزاز، لاہور۔ نبیلہ زمان، رحیم یار خان۔ حسنین احمد، میرپور۔ جوریہ یونس، لاہور۔ ضحیٰ جاوید، شیخوپورہ۔ زینب سجاد، میاں والی۔

ہدایات: تصویر 6 انچ چوڑی، 9 انچ لمبی اور رنگین ہو۔ تصویر کی پشت پر مصور اپنا نام، عمر، کلاس اور پورا پتا لکھے اور سکول کے پرنسپل یا ہیڈ مسٹریس سے تصدیق کروائے کہ تصویر اسی نے بنائی ہے۔

اپریل کا موضوع
وادی کشمیر
آخری تاریخ 8 مارچ

مئی کا موضوع
پہاڑ اور گھری
آخری تاریخ 8 اپریل